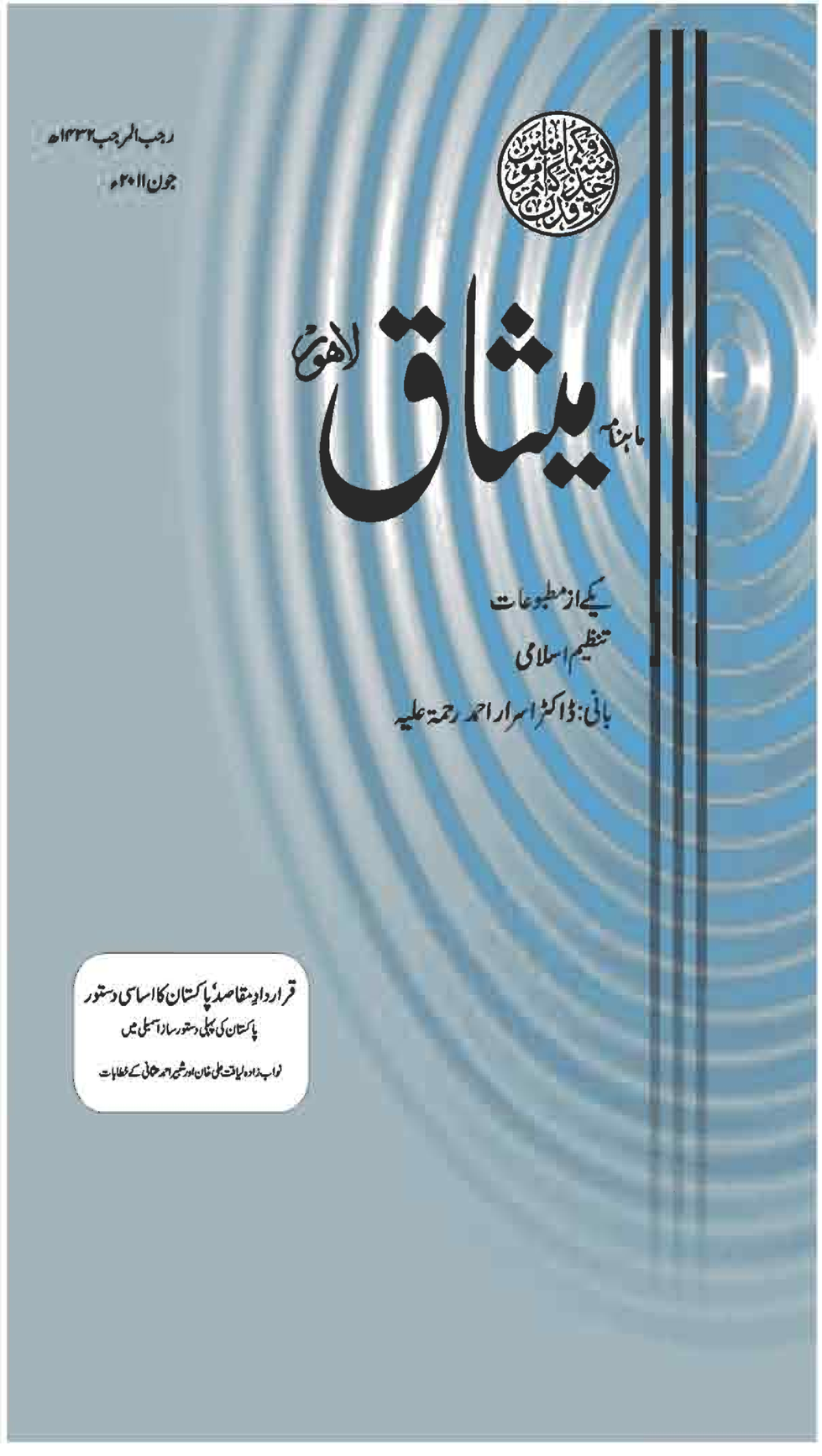

رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

جون ۲۰۱۱ء

ماہنامہ

میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ علیہ

قراردادِ مقاصد' پاکستان کا اساسی دستور

پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں

نوابزادہ لیاقت علی خان اور شبیر احمد عثمانی کے خطابات

شعبہ مطبوعات قرآن اکیڈمی لاہور کی تازہ ترین پیشکش

◄ اسلام کیا ہے؟

◄ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟......اور

◄ احسان سے کیا مراد ہے؟

اِن سوالوں کی وضاحت پر مبنی

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے چار خطابات جمعہ پر مشتمل کتاب

"اسلام' ایمان اور احسان

حدیثِ جبریلؑ کی روشنی میں"

☆عمدہ طباعت ☆دیدہ زیب ٹائٹل ☆صفحات: 72 ☆قیمت: 50 روپے

مکتبہ خُدّام القُرآن' لاہور

36-K، ماڈل ٹاؤن' لاہور۔

فون: 3-042-35869501

email: maktaba@tanzeem.org

وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمِيۡثَاقَهُ الَّذِىۡ وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۡ (المائدۃ: ۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد : 60

شمارہ : 6

رجب المرجب 1432ھ

جون 2011ء

فی شمارہ -/25

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ

مدیر: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک: 250 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش: 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36271241

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ____ 3

نظریۂ پاکستان اور لبرل دانشور — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القرآن ____ 5

سورۃ الانعام (آیات ۱۴۵ تا ۱۶۵) — ڈاکٹر اسرار احمد

نشانِ منزل ____ 21

☆ قراردادِ مقاصد، پاکستان کا اساسی دستور — نوابزادہ لیاقت علی خان، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

☆ نفاذِ اسلام کے لیے علماء کرام کے بائیس نکات ____ 42

دعوت و تحریک ____ 45

بیدار عزائم ہوتے ہیں، اَسرار نمایاں ہوتے ہیں — پروفیسر سلیم منصور خالد

بحث و نظر ____ 50

تحفظ ناموسِ الٰہی — مدثر رشید

تعمیرِ سیرت ____ 59

عفت و پاکدامنی — عتیق الرحمٰن صدیقی

حسنِ معاشرت ____ 72

دونوں لباس پہنیں — حافظ محمد مشتاق ربانی

تذکیر و موعظت ____ 77

انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

دعوتِ فکر ____ 83

گلوبلائزیشن اور ہمارا نظامِ تعلیم — پروفیسر جہاں آراء لطفی

تعارفِ شخصیات ____ 91

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی — حافظ محمد زبیر

بسم اللہ الرحمٰن الرّحِیم

نظریۂ پاکستان اور لبرل دانشور

انسانی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں کا زوال سیاسی‘ معاشی یا عسکری حوالہ سے کمزوری سے نہیں بلکہ اخلاقی انحطاط اور نظریاتی انحراف سے ہوتا ہے۔ اخلاقی انحطاط سے مراد معاشرتی بے راہ روی‘ مالی بددیانتی اور بدعہدی ہیں‘ جبکہ نظریاتی انحراف کو یوں سمجھا جا سکتا ہے جیسے کوئی عمارت تعمیر کرنے کے لیے ایک جگہ بنیادیں کھودی جائیں لیکن عمارت اس جگہ سے ہٹ کر بنیادیں کھودے بغیر تعمیر کرنی شروع کر دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی انحطاط سے قومیں زوال پذیر ہونے میں وقت لیتی ہیں جبکہ نظریاتی انحراف کرنے والی قوم بہت جلد انجام بد کی طرف بڑھتی ہے اور زوال کی آخری حد تک پہنچ جاتی ہے۔ آمدم برسر مطلب‘ پاکستان کو نظریاتی بنیادوں سے ہٹانے کا آغاز سیکولر اور قابل فروخت دانشوروں‘ انگریزی دور میں جنم لینے والے جاگیرداروں اور مفاد پرست سیاستدانوں نے قائد اعظم کی ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر کی کھینچ تان سے کیا‘ حالانکہ خود قائد اعظم نے ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے جو یہ الفاظ کہے تھے:

> ’’اسلامی اصول آج بھی ہماری زندگی کے لیے اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے قابل عمل تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ لوگوں کا ایک گروہ جان بوجھ کر فتنہ اندازی سے یہ بات کیوں پھیلانا چاہتا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کی بنیاد پر مدوّن نہیں کیا جائے گا۔‘‘

صاف ظاہر ہے کہ مفاد پرست عناصر کی ۱۱/اگست کی تقریر کے حوالہ سے سرگوشیوں کی سن گن قائد اعظم کو ہوئی تو انہوں نے ان عناصر کو شر پسند قرار دیا اور اسلامی نظام کی نہیں بلکہ پہلی مرتبہ شریعت محمدی کے نفاذ کا ذکر کیا۔ ہماری رائے میں اپنے کسی بیان کی وضاحت اور صفائی کا حق اصلاً اسی آدمی کو ہوتا ہے جس نے اولاً یہ بیان دیا ہو۔ دکھ اور تکلیف کی بات تو یہ ہے کہ یہ دانشور اپنے مخالفین کو رگیدتے رگیدتے پاکستان اور اسلام کی مخالفت پر اتر آتے ہیں اور انتہائی گھٹیا اور بے ہودہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ بعض اوقات یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ پاکستان کے خلاف بھارت کے وکیل ہوں۔ علاوہ ازیں انتہائی بے تکی اور حقائق کے خلاف باتیں کہتے اور لکھتے ہیں۔ ایک صاحب یہ در فطنی لائے ہیں کہ نظریہ پاکستان کی اصطلاح فوجی ڈکٹیٹر یحییٰ خان کے وزیر اطلاعات نوابزادہ شیر علی کی گھڑی ہوئی ہے۔ حیرت ہے دانشور کہلانا اور دانش سے اس قدر دشمنی کا مظاہرہ کرنا! دوقومی نظریہ کو کانگریس سے تسلیم کروا کر مسلم لیگ اور قائد اعظم نے پاکستان حاصل کیا تھا۔ دوقومی نظریہ کیا تھا؟ یہ کانگریس کے اس نظریہ کی نفی تھی کہ ہندوستان میں رہنے والے مسلم‘ ہندو‘ سکھ‘ عیسائی‘ پارسی یا کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہوں سب کی قومیت ہندوستانی ہے‘ یعنی ہندوستان کی جغرافیائی حدود ہی قومیت کی بنیاد ہیں۔ مسلم لیگ کا موقف تھا کہ مسلم ایک الگ قوم ہے جس کی قومیت کی بنیاد دین و مذہب اور عقیدہ ہے۔ اور اس لحاظ سے وہ ہر دوسری قوم سے علیحدہ ایک

الگ قوم ہے۔ کیا اب بھی موصوف کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ نظریہ پاکستان کی اصطلاح تحریک پاکستان کی اصطلاح ہے۔ کیا ایک دنیا پاکستان کو نظریاتی ریاست تسلیم نہیں کرتی؟ ہم یہاں ایک تاریخی واقعہ کا ذکر کرنا ضروری سمجھیں گے کہ مولانا محمد بخش مسلم نے ایک مرتبہ قائد اعظم سے کہا کہ دوقومی نظریہ کا ذکر تو قرآن پاک میں بھی ہے‘ جس پر قائد اعظم نے خوشگوار حیرت کا اظہار کیا۔ اس در فطنی کا ذکر تو ضمناً آ گیا‘ ہم عرض کر رہے تھے کہ وہ اسٹیبلشمنٹ جو انگریز کی ذہنی غلام تھی اور وہ جو انگریز کی چاکری کر کے جاگیردار بن چکے تھے‘ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے حوالہ سے لیت و لعل سے کام لینا شروع کر دیا۔ تب مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جو تحریک پاکستان کے ہراول دستہ میں شامل تھے‘ انہوں نے مسلم لیگ کی حکومت کو چیلنج دیا کہ اگر انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق اسلامی نظام نافذ نہ کیا تو وہ عوام میں جا کر کہیں گے کہ مسلم لیگ نے قوم سے دھوکہ کیا ہے۔ تمام سیکولر دانشوروں سے یہ سوال ہے کہ کیا کسی ایک رکن اسمبلی نے بھی یہ کہا کہ ہم نے تو پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کوئی ایک تو بولتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آگ اگلتے سورج کو اپنے سر پر دیکھ کر اگر کوئی کہے کہ رات تاریک ہے تو اس بے چارے پر رحم و ترس ہی کھایا جا سکتا ہے۔ لیاقت علی خان کیا تھے کیا نہیں تھے ہم بحث نہیں کرتے‘ لیکن ان میں اتنی اخلاقی جرأت تھی کہ انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانا مسلم لیگ کا بنیادی نظریہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر قرارداد مقاصد منظور کروائی۔ لیکن غلام اسٹیبلشمنٹ نے جاگیرداروں اور بیرونی آقاؤں سے ملی بھگت کر کے انہیں شہید کر دیا۔ لیاقت علی خان کی شہادت نے قرارداد مقاصد کو فائلوں کے ڈھیر تلے دبا دیا۔ لیکن بعد ازاں قرارداد مقاصد کو اپنے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جاتا رہا۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ نظریہ پاکستان پہلے غیروں کی نشانہ بازی کا ہدف تھا اب اپنوں نے اس سے کھیلنا شروع کر دیا۔ مذہبی جماعتیں جب اسلام کا نعرہ لے کر انتخابات کے میدان میں اتریں تو انہوں نے اسلام کا وہی حشر کیا جو کٹی ہوئی پتنگ کا بہت سے لوٹنے والے کرتے ہیں‘ جس سے فرقہ واریت عروج پر پہنچ گئی اور مختلف فرقہ وارانہ جماعتوں نے اپنے اپنے اسلام کی حفاظت کے لیے گن اور کلاشنکوف کا استعمال شروع کر دیا تو مذہب کے نام پر خونریزی بھی ہوئی‘ جس سے اسلام کے نفاذ کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ آج یہ حالت ہے کہ مذہبی سیاسی جماعتیں بھی نفاذ اسلام کا ذکر کرنے سے کنی کتراتی ہیں۔ اس صورت حال سے سیکولر عناصر نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

اس دوران میڈیا آزاد ہوا‘ لیکن صرف آزاد نہ ہوا بلکہ اسے مادر پدر آزادی حاصل ہو گئی۔ پرنٹ میڈیا میں انگریزی کے شعبہ میں پہلے ہی سیکولر طبقہ چھایا ہوا تھا اور اسلام کی بات کرنے والا شاذ کے درجہ میں کوئی تھا۔ الیکٹرونک میڈیا پر بھی سیکولر اور نام نہاد لبرل دانشور قابض ہو گئے‘ اگرچہ کبھی کبھی زبان کا ذائقہ تبدیل کرنے کے لیے کسی اسلام پسند کو موقع تو دے دیا جاتا ہے‘ البتہ نظریہ پاکستان کی عملی تعبیر اور شریعت محمدیؐ کے مملکتِ خداداد پاکستان میں نفاذ کے پرجوش‘ سنجیدہ اور مخلص حامی سے مکمل پرہیز برتا جاتا ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ آج پاکستان کے شہری خصوصاً نوجوان نسل کے سامنے نظریہ پاکستان کی عملی تعبیر اور پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانا بطور مسئلہ اور ضرورت ہے ہی نہیں۔ دوسری طرف ہمت اور جرأت میں اس قدر اضافہ ہو چکا ہے کہ پاکستان اور اسلام کو برا بھلا کہنا‘ بھارت کی حمد کے ترانے گانا‘ اس کی جمہوری عظمت کو سلام پیش کرنا لبرل کہلوانے کے لیے سند

(باقی صفحہ 96 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الانعام

آیات ۱۴۵ تا ۱۵۰

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ
مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ
اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَی
الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا
عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ
بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۫ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ
رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾
سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا
مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ
هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ
اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۴۹﴾
قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِیْنَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ
شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا
وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع

آیت ۱۴۵ ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ﴾ ’’کہہ دیجیے میں تو نہیں پاتا اس (قرآن) میں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے‘ کوئی چیز حرام کسی کھانے والے پر کہ وہ اسے کھاتا ہو‘‘

یہاں پھر وہ قانون دہرایا جا رہا ہے کہ شریعت میں کن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے۔

﴿اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً﴾ ’’سوائے اس کے کہ وہ مُردار ہو‘‘

اس مُردار کی قسمیں (الْمُنْخَنِقَة ، الْمَوْقُوْذَة، الْمُتَرَدِّیَة) اور تفصیل سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ یعنی جانور کسی بھی طرح سے مر گیا ہو وہ مُردار کے زمرے میں شمار ہوگا‘ لیکن اگر مرنے سے پہلے اسے ذبح کر لیا جائے اور ذبح کرنے سے اس کے جسم سے خون نکل جائے تو اس کا کھانا جائز ہوگا۔

﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ ’’یا خون ہو بہتا ہوا‘‘

یعنی ایک خون تو وہ ہے جو مذبوح جانور کے جسم کے سکیڑ اور کھچاؤ (rigormortis) کی انتہائی کیفیت کے باوجود بھی کسی نہ کسی مقدار میں گوشت میں رہ جاتا ہے۔ اسی طرح تلی کے خون کا معاملہ ہے۔ لہٰذا یہ چیزیں حرام نہیں ہیں۔ لیکن جو خون بہایا جا سکتا ہو اور جو ذبح کرنے کے بعد جانور کے جسم سے نکل کر بہہ گیا ہو وہ خون حرام ہے۔

﴿اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ﴾ ’’یا خنزیر کا گوشت کہ وہ تو ہے ہی ناپاک‘ یا کوئی ناجائز (گناہ کی) شے‘ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔‘‘

یعنی سور کے گوشت کی وجہِ حرمت تو یہ ہے کہ وہ اصلاً ناپاک ہے۔ اس کے علاوہ کچھ چیزوں کی حرمت حکمی ہے‘ جو فسق (اللہ کی نافرمانی) کے سبب لازم آتی ہے۔ چنانچہ ﴿اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ﴾ اسی وجہ سے حرام قرار پایا‘ یعنی جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اس حکم میں وہ قربانی بھی شامل ہے جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے تقرّب کی نیت پر دی گئی ہو۔ مثلاً ایسا جانور جو کسی قبر یا کسی خاص استھان پر جا کر ذبح کیا جائے‘ اگرچہ اسے ذبح کرتے وقت اللہ ہی کا نام لیا جاتا ہے مگر دل کے اندر کسی غیر اللہ کے تقرب کی خواہش کا چور موجود ہوتا ہے۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾﴾ ’’لیکن (ان

صورتوں میں بھی اگر) کوئی مجبور ہو جائے' نہ تو اس کے اندر ان کی طلب ہو اور نہ حد سے بڑھے' تو یقیناً آپ کا رب بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

کسی غیر معمولی صورتِ حال میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھا کر اگر جان بچائی جا سکے تو مشروط طور پر اس کی اجازت دی گئی ہے۔

آیت ۱۴۶ ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ﴾ ''اور ہم نے ان پر جو یہودی ہوئے تھے حرام کر دیے تھے ایک ناخن (کُھر) والے تمام جانور۔''

کچھ جانوروں کے پاؤں پھٹے ہوئے ہوتے ہیں' جیسے گائے' بکری وغیرہ' جب کہ کچھ جانوروں کا ایک ہی پاؤں (کُھر) ہوتا ہے۔ ایسے ایک کھر والے جانور مثلاً گھوڑا' گدھا وغیرہ یہودیوں پر حرام کر دیے گئے تھے۔ جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں' یہودیوں پر جو چیزیں حرام کی گئیں تھیں' ان میں سے بعض تو اصلاً حرام تھیں مگر کچھ چیزیں ان کی شرارتوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے بطور سزا ان کے لیے حرام کر دی گئی تھیں۔

﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ﴾ ''اور گائے اور بکری (وغیرہ) میں سے ہم نے حرام کر دی تھی اُن پر ان کی چربی سوائے اس کے کہ جو ان کی پیٹھ یا انتڑیوں یا ہڈیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔''

﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ﴾ ''یہ ہم نے انہیں سزا دی تھی ان کی سرکشی کی وجہ سے''

یعنی اس قسم کے جانوروں کی عام کھلی چربی ان کے لیے حرام تھی۔ لیکن یہ حکم آسمانی شریعت کا مستقل حصّہ نہیں تھا' بلکہ ان کی شرارتوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے یہ تنگی اُن پر بطور سزا کی گئی تھی۔

﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۱۴۶﴾ ''اور یقیناً ہم سچ کہنے والے ہیں۔''

آیت ۱۴۷ ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ﴾ ''تو اگر یہ لوگ آپؐ کو جھٹلا دیں تو کہہ دیجیے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے۔''

یعنی اس جرم کی پاداش میں وہ تمہیں فوراً نہیں پکڑ رہا اور نہ فوراً معجزہ دکھا کر تمہاری مدّت یا مہلتِ عمل ختم کرنے جا رہا ہے' بلکہ اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی تمہیں مزید

مہلت دی جائے۔

﴿وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۴۷﴾ ''اور اُس کا عذاب ٹالا نہیں جا سکے گا مجرموں کی قوم سے۔''

جب اُس کی طرف سے گرفت ہو گی تو ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝۱۲﴾ (البروج) کے مصداق یقیناً بڑی سخت ہو گی اور پھر کسی کی مجال نہ ہو گی کہ اس گرفت کی سختی کو ٹال سکے۔

آیت ۱۴۸ ﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ﴾ ''عنقریب کہیں گے یہ مشرک لوگ کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے آباء و اَجداد اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔''

یعنی مشرکینِ مکہ اس طرح کے دلائل دیتے تھے کہ جن چیزوں کے بارے میں ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ وہ حرام نہیں ہیں اور ہم نے خواہ مخواہ ان کو حرام ٹھہرا دیا ہے' ایسا کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں تھا۔ آخر اللہ تو عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے' اُس کا تو ہمارے ارادے اور عمل پر کُلّی اختیار تھا۔ لہٰذا یہ سب کام اگر غلط تھے تو وہ ہمیں یہ کام نہ کرنے دیتا اور غلط رستہ اختیار کرنے سے ہمیں روک دیتا۔ اس طرح کی کٹ حجتیاں کرنا انسان کی فطرت ہے۔

﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ﴾ ''اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھ لیا۔''

﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝۱۴۸﴾ ''(آپؐ ان سے) کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی سند ہے جسے تم ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم تو محض گمان کی پیروی کر رہے ہو اور صرف اندازوں اور اٹکل کی باتیں کرتے ہو۔''

آیت ۱۴۹ ﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بس اللہ کے حق میں ثابت ہو چکی ہے پوری پوری پہنچ جانے والی حجّت۔''

تمہاری اس کٹ حجتی کے مقابلے میں حقیقت تک پہنچی ہوئی حجّت صرف اللہ کی ہے۔ اُس نے ہر طرح سے تم پر اِتمامِ حجّت کر دیا ہے' تمہاری ہر نامعقول بات کو معقول طریقے سے رد کر

دیا ہے' مختلف انداز سے تمہیں ہر بات سمجھا دی ہے۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا نام اسی آیت سے اخذ کیا ہے۔

﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾﴾ ''پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لے آتا۔''

اگر اللہ کے پیشِ نظر سب کو نیک بنانا ہی مقصود ہوتا تو آنِ واحد میں تم سب کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا نیک بنا دیتا' لیکن اس نے دُنیا کا یہ معاملہ عمل اور اختیار کے تحت رکھا ہے' اور اس کا مقصد سورۃ الملک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (آیت ۲) ''اُس نے موت و حیات کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ تمہیں آزمائے اور جانچے کہ تم میں سے کون ہے جو نیک عمل اختیار کرتا ہے۔''

آیت ۱۵۰ ﴿قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا﴾ ''کہیے ذرا لاؤ تو سہی اپنے وہ گواہ جو یہ گواہی دے سکیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔''

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب یا علمی سند موجود ہے جسے تم اپنے موقف کے حق میں بطورِ گواہی پیش کر سکو؟ اگر اس طرح کی کوئی ٹھوس شہادت ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔

﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ﴾ ''پس اگر یہ لوگ (کٹ حجتی میں) گواہی دے بھی دیں تو آپؐ ان کے ساتھ گواہی مت دیجیے۔''

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾﴾ ''اور مت پیروی کیجیے ان لوگوں کی خواہشات کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' اور وہی ہیں جو دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔''

اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت بھی ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝﴾ کے الفاظ پر ختم ہوئی تھی اور اب یہ آیت بھی ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝﴾ کے الفاظ پر ختم ہو رہی ہے۔ یعنی آخرت کے یہ منکر اتنا کچھ سننے کے باوجود بھی کس قدر دیدہ دلیری کے ساتھ شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ انہیں اللہ کے حضور حاضری کا کچھ بھی خوف محسوس نہیں ہو رہا اور جس کو چاہتے ہیں اللہ کے برابر کر دیتے ہیں۔

آیات ۱۵۱ تا ۱۵۴

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

آیت ۱۵۱ ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ ''کہیے آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے ربّ نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں''

تم لوگ جب چاہتے ہو کسی بکری کو حرام قرار دے دیتے ہو' کبھی خود ہی کسی اونٹ کو محترم ٹھہرا لیتے ہو' اور اس پر مستزاد یہ کہ پھر اپنی ان خرافات کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہو۔ آؤ میں تمہیں واضح طور پر بتاؤں کہ اللہ نے اصل میں کن چیزوں کو محترم ٹھہرایا ہے' ممنوع اور حرام چیزوں کے بارے میں اللہ کے کیا احکام ہیں اور اس سلسلے میں اس نے کیا کیا حدود و قیود مقرر کی ہیں۔ یہ مضمون تفصیل کے ساتھ سورۂ بنی اسرائیل میں آیا ہے۔ وہاں ان احکام کی تفصیل میں پورے دو رکوع (تیسرا اور چوتھا) نازل ہوئے ہیں۔ ایک طرح سے انہی احکام کا خلاصہ یہاں اِن آیات میں بیان ہوا ہے۔ شریعت کے بنیادی احکام دراصل ضرورت اور حکمتِ الٰہی کے مطابق قرآن حکیم میں مختلف جگہوں پر مختلف انداز میں وارد ہوئے ہیں۔ سورۃ البقرۃ (دسویں

رکوع) میں جہاں بنی اسرائیل سے میثاق لینے کا ذکر آیا ہے وہاں دین کے اساسی نکات بھی بیان ہوئے ہیں۔ پھر اس کے بعد شرعی احکام کی کچھ تفصیل ہمیں سورۃ النساء میں ملتی ہے۔ اس کے بعد یہاں اس سورۃ میں اور پھر انہی احکام کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل میں ہے۔

﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ ’’یہ کہ کسی شے کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔‘‘

یعنی سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ شرک کو حرام ٹھہرایا ہے اور دوسرے نمبر پر والدین کے حقوق میں کوتاہی حرام قرار دی ہے۔ قرآن حکیم میں یہ تیسرا مقام ہے جہاں حقوق اللہ کے فوراً بعد حقوقِ والدین کا تذکرہ آیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ آیت ۸۳ اور سورۃ النساء آیت ۳۶ میں والدین کے حقوق کا ذکر اللہ کے حقوق کے فوراً بعد کیا گیا ہے۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ﴾ ’’اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو تنگ دستی کے خوف سے، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔‘‘

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ﴾ ’’اور بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی مت جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں یا خفیہ۔‘‘

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ﴾ ’’اور مت قتل کرو اُس جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔‘‘

بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے ہر انسانی جان کو محترم ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا کسی اصول، حق اور قانون کے تحت ہی انسانی جان کا قتل ہو سکتا ہے۔ قتلِ عمد کے بدلے میں قتل، قتلِ مرتد، مسلمان زانی یا زانیہ (اگر شادی شدہ ہوں) کا قتل، حربی کافر وغیرہ کا قتل۔ یہ انسانی قتل کی چند جائز اور قانونی صورتیں ہیں۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱﴾ ’’یہ باتیں ہیں جن کی اللہ تمہیں وصیت کر رہا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔‘‘

آیت ۱۵۲ ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ﴾ ’’اور یتیم کے مال کے قریب مت پھٹکو، مگر بہترین طریقے سے (اس کے مال کی حفاظت کرو) یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔‘‘

یتیم کے مال کو ہڑپ کرنا یا اپنا ردّی مال اس کے مال میں ملا کر اس کے اچھے مال پر قبضہ کرنے کا حیلہ کرنا بھی حرام ہے۔ بنیادی طور پر تو یہ مکّی دور کے احکام ہیں، لیکن یتیموں کے حقوق کی اہمیت کے پیش نظر مدنی سورتوں میں بھی اس بارے میں احکام آئے ہیں، مثلاً سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۰ اور سورۃ النساء آیت ۲ میں بھی یتیموں کے اموال کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، جو اس سے قبل ہم پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ﴾ ’’اور پورا کرو ناپ اور تول کو عدل کے ساتھ۔ ہم نہیں ذمہ دار ٹھہرائیں گے کسی بھی جان کو مگر اس کی وسعت کے مطابق۔‘‘

یعنی بغیر کسی ارادے کے اگر کوئی کمی بیشی ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں۔ جیسے دعا کے لیے ہمیں یہ کلمات سکھائے گئے ہیں: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ﴾ (البقرۃ:۲۸۶) ’’اے ہمارے ربّ! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا‘‘۔ لیکن اگر جان بوجھ کر ذرا سی بھی ڈنڈی ماری تو وہ قابلِ گرفت ہے۔ اس لیے کہ عملاً معصیت کا ارتکاب کرنا درحقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ یا تو تمہیں آخرت کا یقین نہیں ہے یا پھر یہ یقین نہیں ہے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ گویا عمداً ذرا سی منفی جنبش میں بھی ایمان کی نفی کا احتمال ہے۔

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ﴾ ’’اور جب بھی بات کرو تو عدل (کی بات) کرو، خواہ قرابت دار ہی (کا معاملہ) ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔‘‘

تمہاری بات چیت کھری اور انصاف پر مبنی ہو۔ اس میں جانبداری نہیں ہونی چاہیے، چاہے قرابت داری ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اللہ کے نام پر، اللہ کے حوالے سے، اللہ کی قسم کھا کر جو بھی عہد کیا جائے اس کو بھی پورا کرو۔ جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بھی ایک عہد ہے جو ہم اللہ سے کرتے ہیں۔ ہر انسان نے دنیا میں آنے سے پہلے بھی اللہ سے ایک عہد کیا تھا، جس کا ذکر سورۃ الاعراف (آیت ۱۷۲) میں ملتا ہے۔ اسی طرح روزمرّہ کی زندگی میں بھی بہت سے عہد ہوتے ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ''یہ ہیں (وہ چیزیں) جن کا اللہ تمہیں حکم کر رہا ہے تاکہ تم نصیحت اخذ کرو۔''

یہ وہ چیزیں ہیں جو دین میں اہمیت کی حامل اور انسانی کردار کی عظمت کی علامت ہیں۔ یہ انسانی تمدن اور اخلاقیات کی بنیادیں ہیں۔

آیت ۱۵۳ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾ ''اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے' پس تم اس کی پیروی کرو۔''

دین کے اصل اصول تو وہ ہیں جو ہم بیان کر رہے ہیں۔ تمہارے خود ساختہ طور طریقے تو گویا ایسی پگڈنڈیاں ہیں جن کا صراطِ مستقیم سے کوئی تعلق نہیں۔ صراطِ مستقیم تو صرف وہ ہے جس پر ہمارا رسول ﷺ ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چل رہا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ ''اور (اس صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر) دوسرے راستوں پر نہ پڑ جاؤ کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا کر منتشر کر دیں گے۔''

یعنی اگر تم خود ساختہ مختلف پگڈنڈیوں پر چلنے کی کوشش کرو گے تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔ لہٰذا تم سب راستوں کو چھوڑ کر سواء السبیل پر قائم رہو۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ تمہیں وصیّت کر رہا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

آیت ۱۵۴ ﴿ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً﴾ ''پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اپنی نعمت پوری کرنے کے لیے احسان کی روش اختیار کرنے والے پر اور (اس میں تھی) ہر شے کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں جو احکام ہیں وہ تورات کے ''احکام عشرہ'' (Ten Commandments) کا ہی خلاصہ ہے۔

﴿لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''تاکہ وہ اپنے رب کے حضور حاضری پر پورا یقین رکھیں۔''

آیات ۱۵۵ تا ۱۶۵

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۙ اَنْ
تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ
دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۙ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى
مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ
اٰيٰتِنَا سُوْۗءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ
الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ
رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا
خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا
شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَفْعَلُوْنَ ۝ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ
فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝
قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ
رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ
اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَهُوَ
الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۠ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

آیت ۱۵۵ ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾﴾ ''اور (اب) یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے بڑی بابرکت' تو تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

آیت ۱۵۶ ﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ ''مبادا تم یہ کہو کہ کتاب تو بس اُتاری گئی تھی ہم سے پہلے کے دو گروہوں پر''

یہ بالکل سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۹ والا انداز ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ﴾ ''مبادا تم یہ کہو کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر اور نذیر آیا ہی نہیں تھا''۔ اور اس احتمال کو رد کرنے کے لیے فرمایا گیا: ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ﴾ ''پس آ گیا ہے تمہارے پاس بشیر اور نذیر''۔ کہ ہم نے اپنے آخری رسول ﷺ کو بھیج دیا ہے آخری کتابِ ہدایت دے کر تاکہ تمہارے اوپر حجت تمام ہو جائے۔ لیکن وہاں اس حکم کے مخاطب اہلِ کتاب تھے اور اب وہی بات یہاں مشرکین کو اس انداز میں کہی جا رہی ہے کہ ہم نے یہ کتاب اتار دی ہے جو سراپا خیر و برکت ہے' تاکہ تم روزِ قیامت یہ نہ کہہ سکو کہ اللہ کی طرف سے کتابیں تو یہودیوں اور عیسائیوں پر نازل ہوئی تھیں' ہمیں تو کوئی کتاب دی ہی نہیں گئی' ہم سے مواخذہ کاہے کا؟

﴿وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾﴾ ''اور ہم تو اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل ہی رہے۔''

اور وہاں یہ نہ کہہ سکو کہ تورات تو عبرانی زبان میں تھی' جب کہ ہماری زبان عربی تھی۔ آخر ہم کیسے جانتے کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہوا تھا' لہٰذا نہ تو ہم پر کوئی حجت ہے اور نہ ہی ہمارے محاسبے کا کوئی جواز ہے۔

آیت ۱۵۷ ﴿اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ﴾ ''یا تم یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی گئی ہوتی تو ہم ان سے کہیں بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے۔''

یعنی تم روزِ قیامت یہ دعویٰ لے کر نہ بیٹھ جاؤ کہ ان بے وقوفوں نے تو اللہ کی کتابوں (تورات اور انجیل) کی قدر ہی نہیں کی۔ ہمیں اللہ نے کتاب دی ہوتی تو پھر ہم بتاتے کہ کتابُ اللہ کی قدر کیسے کی جاتی ہے۔

﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ﴾ ''تو (اے بنی اسماعیل) تمہارے پاس آ گئی ہے بیّنہ تمہارے رب کی طرف سے' اور ہدایت اور رحمت۔''
یعنی تمہارے پاس اللہ کا رسول اُس کی کتاب لے کر آ چکا ہے جس میں واضح اور مستحکم احکام موجود ہیں۔ اس بَیِّنَۃ کی وضاحت سورۃ البیّنہ کی آیت ۲ اور ۳ میں اس طرح کی گئی ہے: ﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾﴾ ''اللہ کی طرف سے ایک رسول جو مقدس صحیفے پڑھ کر سناتا ہے' جن میں بالکل درست احکام ہیں۔''

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا﴾ ''تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور اُن سے پہلوتہی کرے۔''

﴿سَنَجْزِی الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾﴾ ''ہم عنقریب سزا دیں گے ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے پہلوتہی کرتے ہیں' بہت ہی بُرے عذاب کی' بسبب اُن کے اس پہلوتہی کرنے کے۔''

آیت ۱۵۸ ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ﴾ ''یہ لوگ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے اس کے کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں' یا آپؐ کا رب خود آ جائے یا پھر آپؐ کے رب کی کوئی نشانی آ جائے!''

دراصل یہ ان واقعات یا علامات کا ذکر ہے جن کا ظہور قیامت کے دن ہونا ہے۔ جیسے سورۃ الفجر میں فرمایا: ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾﴾ ''قصۂ زمین برسرِ زمین'' کے مصداق روزِ محشر فیصلہ یہیں اسی زمین پر ہوگا۔ یہیں پر اللہ کا نزول ہوگا' یہیں پر فرشتے پرے باندھے کھڑے ہوں گے اور یہیں پر سارا حساب کتاب ہوگا۔ چنانچہ اس حوالے سے فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب یہ سب علامات ظہور پذیر ہو جائیں؟ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے:

﴿يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا﴾ ''جس دن آپؐ کے ربّ کی بعض (مخصوص) نشانیاں ظاہر ہو گئیں تو پھر کسی ایسے شخص کو اُس کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا''

﴿لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾ ''جو پہلے سے ایمان نہیں لا چکا تھا یا اُس نے اپنے ایمان میں کچھ خیر نہیں کما لیا تھا۔''

دراصل جب تک غیب کا پردہ پڑا ہوا ہے تب تک ہی اس امتحان کا جواز ہے۔ جب غیب کا پردہ ہٹ جائے گا تو یہ امتحان بھی ختم ہو جائے گا۔ اس وقت پھر جو صورتِ حال سامنے آئے گی اس میں تو بڑے سے بڑا کافر بھی عابد و زاہد بننے کی کوشش کرے گا۔ لیکن جو شخص یہ نشانیاں ظاہر ہونے سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا اور ایمان کی حالت میں اعمالِ صالحہ کا کچھ توشہ اس نے اپنے لیے جمع نہیں کر لیا تھا' اس کے لیے بعد میں ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا کچھ بھی سود مند نہیں ہوگا۔

﴿قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾﴾ ''(تو اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے تم بھی انتظار کرو' ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''

اب انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

آیت ۱۵۹ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر دیے اور وہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔''

یہ وہی ''وحدتِ دین'' کا تصور ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۳ میں دیا گیا ہے: ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ کہ پہلے تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ پھر لوگ صراطِ مستقیم سے منحرف ہوتے گئے اور مختلف گروہوں نے اپنے اپنے راستے الگ کر لیے۔ چنانچہ حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر اپنی اپنی خود ساختہ پگڈنڈیوں پر چل رہے ہیں وہ سب ضلالت اور گمراہی میں پڑے ہیں اور آپؐ کا ان گمراہ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾﴾ ''ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' پھر وہ انہیں جتلا دے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۶۰ ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ ''جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا۔''

﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا﴾ ''اور جو کوئی بدی کما کر لائے گا تو

اُسے سزا نہیں ملے گی مگر اسی کے برابر''

یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ بدی کی سزا بدی کے برابر ہی ملے گی' لیکن نیکی کا اجر بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا' دو دو گنا' چار گنا' دس گنا' سات سو گنا یا اللہ تعالیٰ اس سے بھی جتنا چاہے بڑھا دے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرۃ:۲۶۱)

﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾﴾ ''اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

اُس دن کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی اور کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

اگلی دو آیات جو ''قُلْ'' سے شروع ہو رہی ہیں بہت اہم ہیں۔ یہ ہم میں سے ہر ایک کو یاد رہنی چاہئیں۔

آیت ۱۶۱ ﴿قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہیے کہ میرے ربّ نے تو مجھے ہدایت دے دی ہے سیدھے راستے کی طرف۔''

﴿دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾﴾ ''وہ دین ہے سیدھا جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں اور ملت ہے ابراہیم کی' جو یکسو تھا (اللہ کی طرف) اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔''

یہ خطاب واحد کے صیغے میں براہِ راست حضور ﷺ سے ہے اور آپ ﷺ کی وساطت سے پوری اُمت سے۔ ذرا غور کریں ۲۰ رکوعوں پر مشتمل اس سورت میں ایک دفعہ بھی یٰٓاَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ کے ساتھ اہلِ ایمان سے خطاب نہیں کیا گیا۔ کاش کہ ہم میں سے ہر شخص اس آیت کا مخاطب بننے کی سعادت حاصل کر سکے اور یہ اعلان کر سکے کہ مجھے تو میرے رب نے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دے دی ہے۔ لیکن یہ تو تبھی ممکن ہوگا جب کوئی اللہ کی راہِ ہدایت کو صدقِ دل سے اختیار کرے گا۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ آمین!

آیت ۱۶۲ ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾﴾ ''آپؐ کہیے میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

یہاں دوبارہ قُلْ کہہ کر حضور ﷺ کو مخاطب فرمایا گیا ہے اور آپ ﷺ ہی کو یہ اعلان کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے' لیکن آپ ﷺ کی وساطت سے ہم میں سے ہر ایک کو یہ حکم پہنچ رہا

ہے۔ کاش ہم میں سے ہر ایک یہ اعلان کرنے کے قابل ہو سکے کہ میری نماز‘ میری قربانی‘ میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو ربّ العالمین ہے۔ لیکن یہ تب ممکن ہے جب ہم اپنی زندگی واقعۃً اللہ کے لیے وقف کر دیں۔ دُنیوی زندگی کی کم از کم ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناگزیر حد تک اپنا وقت اور اپنی صلاحیتیں ضرور صرف کریں‘ لیکن اس ساری تگ و دَو کو اصل مقصودِ زندگی نہ سمجھیں‘ بلکہ اصل مقصودِ زندگی اللہ کی اطاعت اور اقامتِ دین کی جدّوجُہد ہی کو سمجھیں۔

آیت ۱۶۳ ﴿لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾﴾ ’’اُس کا کوئی شریک نہیں‘ اور مجھے تو اسی کا حکم ہوا ہے اور سب سے پہلا فرماں بردار میں خود ہوں۔‘‘

آیت ۱۶۴ ﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ﴾ ’’کہیے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور ربّ تلاش کروں جبکہ وہی ہر شے کا رب ہے۔‘‘

﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ﴾ ’’اور نہیں کماتی کوئی جان (کچھ بھی) مگر اسی کے اوپر ہوگا اس کا وبال‘ اور نہیں اٹھائے گی کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسرے کے بوجھ کو۔‘‘

اُس دن ہر ایک کو اپنی اپنی گٹھڑی خود ہی اٹھانی ہوگی‘ کوئی دوسرا وہاں مدد کو نہیں پہنچے گا۔ یہاں پر لفظ نفس ’’جان‘‘ کے معنی میں آیا ہے‘ یعنی کوئی جان کسی دوسری جان کے بوجھ کو نہیں اٹھائے گی‘ بلکہ ہر ایک کو اپنی ذمہ داری اور اپنے حساب کتاب کا سامنا بنفسِ نفیس خود کرنا ہوگا۔

﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ ’’پھر اپنے رب ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے‘ پھر وہ تمہیں جتلا دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔‘‘

آیت ۱۶۵ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ ’’اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا‘‘

خلیفہ بنانا ایک تو اس مفہوم میں ہے کہ جو خلافت حضرت آدم علیہ السلام کو دی گئی تھی اس کا حصّہ بِالقُوّۃ (potentially) تمام انسانوں کو ملا ہے‘ اور جو بھی شخص اللہ کا مطیع اور فرماں بردار ہو کر اللہ کو اپنا حاکم اور بادشاہ مان لے تو وہ گویا اس کی خلافت کا حقدار ہو گیا۔ ’’خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ‘‘ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا۔

ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم آتی ہے اور انسانی وراثت نسل در نسل اور قوم در قوم منتقل ہوتی جاتی ہے۔ یہی فلسفہ اس سورۃ کی آیت ۱۳۳ میں بھی بیان ہوا ہے۔

﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ ’’اور اُس نے تم میں سے بعض کے درجوں کو بعض پر بلند کر دیا‘‘

اس دُنیوی زندگی میں اللہ نے اپنی مشیّت کے مطابق کسی کو علم دیا ہے‘ کسی کو حکمت دی ہے‘ کسی کو ذہانت میں فضیلت دی ہے‘ کسی کو جسمانی طاقت میں برتری دی ہے‘ کسی کو صحتِ جسمانی بہتر دی ہے اور کسی کو حسنِ جسمانی میں دوسروں پر فوقیت دی ہے۔ یعنی مختلف انداز میں اُس نے ہر ایک کو اپنے فضل سے نوازا ہے اور مختلف انسانوں کے درجات و مراتب میں اپنی حکمت کے تحت فرق و تفاوت بھی برقرار رکھا ہے۔

﴿لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ﴾ ’’تاکہ تمہیں آزمائے اس میں جو کچھ اُس نے تمہیں بخشا ہے۔‘‘

یعنی دنیا کی تمام نعمتیں انسان کو بطور آزمائش دی جاتی ہیں۔ بَلَا ‘ یَبْلُوْ کے معنی ہیں آزمانا اور جانچنا۔ ابتلاء (بمعنی امتحان اور آزمائش) اسی سے باب افتعال ہے۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾﴾ ’’یقیناً آپ کا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے اور یقیناً وہ غفور اور رحیم بھی ہے۔‘‘

تمت سُورۃُ الانعَام

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 40 روپے اشاعت عام: 25 روپے

قراردادِ مقاصد' پاکستان کا اساسی دستور

نواب زادہ لیاقت علی خاں ☆

قیامِ پاکستان کے بعد پہلی دستور ساز اسمبلی نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو 'قرارداد مقاصد' منظور کی۔ اس دستور ساز اسمبلی کے ارکان کی بڑی تعداد قائداعظم محمد علی جناح کے رفقائے کار پر مشتمل تھی' جب کہ وزیراعظم لیاقت علی خاں ان کے دستِ راست تھے۔ حالیہ برسوں میں پاکستان کا سیکولر اور مغرب زدہ طبقہ 'قرارداد مقاصد' کو مذموم مقاصد کے تحت تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے۔ یہاں پر جناب لیاقت علی خاں کی وہ تقریر پیش کی جارہی ہے جس میں انھوں نے قراردادِ مقاصد کا مسودہ پیش کرتے ہوئے' اس کی وضاحت کی تھی۔ ساتھ ہی قائداعظم کے ساتھی مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کا اس موقعہ پر خطاب بھی پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

صدرِ محترم' جناب والا!

میں حسبِ ذیل قرارداد مقاصد پیش کرتا ہوں۔ یہ قرارداد مقاصد ان خالص اصولوں پر مشتمل ہے' جن پر پاکستان کا دستور اساسی مبنی ہوگا:

جناب صدر مجلس' تحریک پیش ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کُل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکمِ مطلق ہے' اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکتِ پاکستان کو اختیارِ حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے' اور چونکہ یہ اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت ہے'

لہٰذا ---

☆ ۷ مارچ' ۱۹۴۹ء : قائداعظم' وزیراعظم پاکستان کا پہلی دستور ساز اسمبلی میں خطاب' جب انہوں نے اسمبلی میں قراردادِ مقاصد کا مسودہ پیش کیا۔

☆ جمہورِ پاکستان کی نمائندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے' کہ آزاد اور خود مختار مملکتِ پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

☆ جس کی رو سے مملکت تمام حقوق و اختیاراتِ حکمرانی' عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے۔

☆ جس میں اصول جمہوریت وحریت' مساوات ورواداری اور سماجی عدل کو' جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے' پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

☆ جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے' کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر' اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات ومقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنتِ رسول میں متعیّن ہیں' ترتیب دے سکیں۔

☆ جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے' کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں' اور ان پر عمل کرسکیں' اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

☆ جس کی رو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہوگئے ہیں' اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہوجائیں ایک وفاق بنائیں' جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ ومتعینہ اختیارات کے ماتحت خود مختار ہوں۔

☆ جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے' اور ان حقوق میں قانون واخلاقِ عامّہ کے ماتحت مساوات' حیثیت ومواقع' قانون کی نظر میں برابری' سماجی' اقتصادی اور سیاسی عدل' اظہارِ خیال' عقیدہ' دین' عبادت اور ارتباط (میل جول اور باہمی تعلق) کی آزادی شامل ہو۔

☆ جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفّظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

☆ جس کی رو سے عدلیہ کی آزادی مکمل طور پر محفوظ ہو۔

☆ جس کی رو سے وفاق کے علاقوں کی حفاظت' اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس کے بر و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں' تحفظ کیا جائے۔

تاکہ ——

اہلِ پاکستان فلاح اور خوش حالی کی زندگی بسر کرسکیں' اور اقوامِ عالم کی صف میں اپنا جائز اور

ممتاز مقام حاصل کرسکیں‘ اور امنِ عالم کے قیام اور بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود میں کما حقہٗ اضافہ کرسکیں۔

جناب والا‘ میں اس موقعے کو ملک کی زندگی میں بہت اہم سمجھتا ہوں۔ اہمیت کے اعتبار سے صرف حصولِ آزادی کا واقعہ ہی اس سے بلند تر ہے‘ کیونکہ حصولِ آزادی سے ہی ہمیں اس بات کا موقع ملا‘ کہ ہم ایک مملکت کی تعمیر اور اس کے نظام سیاست کی تشکیل اپنے نصب العین کے مطابق کرسکیں۔ میں ایوان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح نے اس مسئلے کے متعلق اپنے خیالات کا متعدد موقعوں پر اظہار فرمایا تھا‘ اور قوم نے ان کے خیالات کی غیر مبہم (unmistakable) الفاظ میں تائید کی تھی۔

پاکستان اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ اس برصغیر کے مسلمان اپنی زندگی کی تعمیر اسلامی تعلیمات اور روایات کے مطابق کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ وہ دنیا پر عملاً واضح کر دینا چاہتے تھے‘ کہ آج حیاتِ انسانی کو جو طرح طرح کی بیماریاں لگ گئی ہیں‘ ان سب کے لیے صرف اسلام ہی اکسیرِ اعظم (panacea) کی حیثیت رکھتا ہے۔ ساری دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ان برائیوں کا اصل سبب یہ ہے کہ انسان اپنی مادی ترقی کے ساتھ قدم نہ بڑھا سکا‘ اور انسانی دماغ نے سائنسی ایجادات کی شکل میں جو خود ساختہ بھوت (frankenstein monster) اپنے اوپر مسلّط کرلیا ہے‘ اب اس سے نہ صرف انسانی معاشرے کے سارے نظام اور اس کے مادی ماحول کی تباہی کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے‘ بلکہ اس مسکنِ خاکی کے بھی تباہ و برباد ہونے کا اندیشہ ہے‘ کہ جس پر انسان آباد ہے۔

یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے: اگر انسان نے زندگی کی روحانی قدروں کو نظر انداز نہ کیا ہوتا‘ اور اگر اللہ تعالیٰ کے وجود پر اس کا ایمان کمزور نہ ہوگیا ہوتا‘ تو اس سائنسی ترقی سے خود اس کی ہستی ہرگز خطرے میں نہ پڑتی۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ وجود باری تعالیٰ کا احساس ہی انسانیت کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ جس کا منشا یہ ہے کہ انسان کو جو قوتیں حاصل ہیں‘ ان سب کو ایسے اخلاقی معیارات کے مطابق استعمال کرنا لازمی ہے‘ جو وحی الٰہی سے فیض یاب ہونے والے ان معلّموں نے متعیّن کردیے ہیں‘ جنہیں ہم مختلف مذاہب کے جلیل القدر پیغمبر مانتے ہیں۔ ہم پاکستانی ہوتے ہوئے اس بات پر شرمندہ نہیں ہیں‘ کہ ہماری غالب

اکثریت مسلمان ہے‘ اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اپنے ایمان اور نصب العین پر قائم رہ کر ہی دنیا کے فوز و فلاح میں حقیقی اضافہ کرسکتے ہیں۔

جناب والا‘ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اس قرارداد کی تمہید میں صاف اور صریح الفاظ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے‘ کہ تمام اختیار اور اقتدار کا ذاتِ الٰہی کے تابع ہونا لازمی ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ یہ نظریہ مغربی حکیم میکیاولی کے خیالات کے بالکل برعکس ہے‘ جس کا تصور مملکت یہ ہے کہ:

> *"Spiritual and ethical values should play no part in the governance of the people."*
>
> (نظام سیاست و حکومت میں روحانی اور اخلاقی قدروں کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔)

اس لیے شاید اس بات کا خیال بھی رواج کے کسی قدر خلاف ہی سمجھا جاتا ہے کہ مملکت کے وجود کو خیر کا آلہ ہونا چاہیے‘ نہ کہ شر (evil) کا۔ لیکن ہم پاکستانیوں میں اتنی جرأتِ ایمان موجود ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام (انسانی) اقتدار اسلام کے قائم کردہ معیارات کے مطابق استعمال کیا جائے‘ تاکہ اس کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔ تمام تر اقتدار ایک مقدس امانت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اس لیے تفویض (delegate) ہوا ہے‘ کہ ہم اسے بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے استعمال کریں‘ تاکہ یہ امانت ظلم و تشدد اور خود غرضی کا آلہ نہ بن کر رہ جائے۔

بہرصورت میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں‘ کہ اس سے ہماری ہرگز ہرگز مراد یہ نہیں ہے کہ ہم حکمرانوں اور بادشاہوں کے ظلِّ الٰہی (Divine Right of Kings) ہونے کے ازکار رفتہ نظریے کو پھر سے زندہ کریں۔ کیونکہ اسلامی جذبے کے تحت قرارداد کی تمہید میں اس حقیقت کو کُلّی طور پر تسلیم کیا گیا ہے‘ کہ اللہ تعالیٰ نے اختیارات سوائے عوام (people) کے کسی اور کو تفویض نہیں کیے۔ اور اس کا فیصلہ خود عوام ہی کو کرنا ہوگا‘ کہ یہ اقتدار کن لوگوں کے ذریعے استعمال کیا جائے گا۔

اسی لیے قرارداد میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ مملکت تمام حقوق و اختیاراتِ حکمرانی کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔ یہی جمہوریت کا نچوڑ (essence) ہے‘ کیونکہ عوام ہی کو ان اختیارات کے استعمال کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے۔

میں نے ابھی یہ عرض کیا تھا کہ: اختیارات کے حقیقی حامل عوام ہیں۔ چنانچہ اس راستے کو

اختیار کرنے سے قدرتی طور پر تھیا کریسی (Theocracy) کے قیام کا خدشہ جاتا رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تھیا کریسی کے لغوی معنی خدا کی حکومت ہیں اور اس اعتبار سے تو پوری کائنات ہی تھیا کریسی قرار پاتی ہے' کیونکہ اس پوری کائنات کا کون سا گوشہ ایسا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل نہیں ہے؟ لیکن (علمِ سیاسیات کے) اصطلاحی معنوں میں تھیا کریسی برگزیدہ پادریوں کی حکومت کو کہتے ہیں' جو محض اس بنا پر اختیار رکھتے ہوں کہ وہ ایسے اہلِ تقدس کی طرف سے خاص طور پر مقرر کیے گئے ہیں' جو اپنے مقامِ قدس کے اعتبار سے ان حقوق کے دعوے دار ہیں۔ اس کے برعکس میں اس امر پر جتنا بھی زیادہ زور دوں کم ہوگا' کہ اسلام میں اس تصوّرِ حکمرانی کی ہرگز کوئی گنجائش اور کوئی مقام نہیں ہے۔ اسلام' پاپائیت (Priesthood) یا کسی بھی حکومت مشائخ (Sacerdotal Authority) کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس لیے اسلام میں تھیا کریسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اب بھی پاکستان کے نظامِ حکومت کے ضمن میں تھیا کریسی کا ذکر کرتا ہے' تو وہ یا کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہے یا پھر دانستہ طور پر شرارت آمیزی سے ہمیں بدنام کرنا چاہتا ہے۔

جناب والا! اب میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتا ہوں' کہ قراردادِ مقاصد میں جمہوریت' حرّیت' مساوات' رواداری' اور سماجی عدل کے اصولوں پر زور دیا گیا ہے۔ اس کی مزید صراحت یہ کی گئی ہے کہ دستورِ مملکت میں ان اصولوں کو اس تشریح کے مطابق ملحوظِ نظر رکھا جائے' جو وضاحت اسلام نے ان الفاظ کی بیان کی ہے۔ ان الفاظ کی صراحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یہ (الفاظ) بالعموم مبہم طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مغربی طاقتیں اور اشتراکی روس دونوں اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے نظامِ حکومت جمہوریت پر مبنی ہیں --- لیکن ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ دونوں نظام کس قدر مختلف ہیں۔ اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا ہے' کہ ان الفاظ کے مفہوم کا تعین کر دیا جائے' تاکہ ہر شخص کے ذہن میں ان کا واضح مفہوم آ جائے۔

جس وقت ہم جمہوریت کا لفظ اس کے اسلامی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں' تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے' کہ جمہوریت ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور اس کا اطلاق جتنا ہمارے نظامِ حکومت پر ہے' اتنا ہی ہمارے معاشرے پر بھی ہے۔ کیونکہ اسلام نے دنیا کو جن عظیم الشان صفات سے مالا مال کیا ہے' ان میں سے ایک صفتِ عام انسانوں کی مساوات بھی ہے۔ اسلام' نسل' رنگ اور نسب کے امتیازات (discrimination) کو کبھی اور کسی سطح

پر بھی تسلیم نہیں کرتا۔ اسلامی تواریخ کا یہ روشن باب ہے کہ انحطاط کے دور (decadence) میں بھی مسلم معاشرہ رنگ و نسل کے ان تعصّبات سے نمایاں طور پر پاک رہا ہے' جنہوں نے دُنیا کے دوسرے انسانوں کے باہمی تعلقات کو زہر آلود کر دیا تھا۔

اسی طرح ہماری اسلامی تہذیب میں رواداری (tolerance) کی روایات بھی عظیم الشان ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ازمنۂ وسطیٰ میں اقلیتوں کو کسی نظامِ حکومت کے تحت وہ مراعات حاصل نہیں ہوئیں' جو مسلمان ملکوں میں انہیں حاصل تھیں۔ جس زمانے میں کلیسا (church) سے اختلاف رکھنے والے مسیحیوں اور مسلمانوں کو (ہولناک) اذیتیں دی جاتی تھیں' اور انہیں گھروں سے نکالا جاتا تھا اور پھر جب انہیں جانوروں کی طرح شکار کیا جاتا تھا اور مجرم قرار دے کر زندہ جلا دیا جاتا تھا' انہی دنوں اسلام ان سب (مظلوموں' زیردستوں اور مقہوروں) کا ضامن اور پناہ گاہ ثابت ہوا کرتا تھا' کہ جنہیں مظالم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا' اور جو تنگ آ کر بھاگ نکلنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ زندہ جلانے کا تو تصوّر تک اسلام میں کبھی نہیں آیا۔

تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب سامیوں سے نفرت (anti-semitism) کے تحت بہت سے یہودیوں کو یورپ کے ممالک سے نکال دیا گیا' تو یہ سلطنتِ عثمانیہ تھی جس نے کھلے دل سے انہیں اپنے ہاں پناہ (shelter) دی تھی۔ مسلمانوں کی رواداری کا سب سے شان دار ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی مسلم ملک ایسا نہیں جہاں اقلیتیں کافی تعداد میں موجود نہ ہوں' اور جہاں وہ اپنے مذہب اور ثقافت کو برقرار نہ رکھے ہوئے ہوں۔ سب سے زیادہ ہندوستان کے اس برصغیر میں جہاں کبھی مسلمانوں کو محدود اختیاراتِ حکمرانی حاصل تھے' غیر مسلموں کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھا گیا اور ہمیشہ ان کا تحفظ کیا گیا۔

میں آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں' کہ مسلمانوں ہی کی سرپرستی میں ہندستان کی بہت سی مقامی زبانوں کو ترقی اور فروغ حاصل ہوا۔ بنگال سے تعلق رکھنے والے میرے دوستوں کو یاد ہوگا کہ یہ صرف مسلمان حکمرانوں ہی کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا' کہ سب سے پہلے ہندوؤں کی مقدس کتابوں (scriptures) کا ترجمہ سنسکرت سے بنگالی میں کیا گیا۔ یہی وہ رواداری ہے جس کا تصوّر اسلام نے ہمیشہ پیش کیا ہے' اور جس میں اقلیتیں ذلّت و رسوائی کی حالت میں نہیں رہتیں' بلکہ باعزّت طریقے پر زندگی بسر کرتی ہیں۔ انہیں اپنے نظریات اور اپنی ثقافت کو فروغ دینے کے مواقع دیے جاتے ہیں' تاکہ وہ پوری قوم کی عظمت

میں اضافہ کرسکیں۔

جہاں تک سماجی عدل (social justice) کا تعلق ہے' جناب محترم' میں یہ کہوں گا کہ اسلام اس میں شان دار اضافہ کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشرے کے قیام کا حامی ہے' جس میں سماجی عدل کا تصور نہ تو بھیک اور خیرات پر مبنی ہے اور نہ ذات پات (اور رنگ و نسل) کی کسی تمیز پر موقوف ہے۔ اسلام جو سماجی عدل قائم کرنا چاہتا ہے' وہ ان بنیادی ضابطوں اور تصوارت پر مبنی ہے' جو انسان کی زندگی کو دوسروں کی محتاجی سے پاک رکھنے کے ضامن ہیں' اور جو آزادی و حریت کی دولت سے مالا مال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ (قرارداد میں) جمہوریت' آزادی' مساوات' رواداری اور سماجی عدل کی ایسی تعریف کی گئی ہے' جس کی وجہ سے ہمارے خیال کے مطابق ان الفاظ کے عام معانی کی بہ نسبت زیادہ گہرے اور وسیع تر معانی پیدا ہو گئے ہیں۔

قراردادِ مقاصد کی اس دفعہ کے بعد یہ درج ہے' کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنّتِ رسول ﷺ میں متعیّن ہیں' ترتیب دے سکیں۔ یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اگر مسلمان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی زندگی دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق بنالے' تو اس پر اصولی طور پر ہمارے کسی غیر مسلم بھائی کو کسی قسم کا اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

جناب والا' آپ اس امر کو بھی مدّنظر رکھیں' کہ حکومت ایک غیر جانب دار تماشائی کی حیثیت سے اس بات پر اکتفا نہیں کرے گی' کہ مسلمانوں کو اس مملکت میں صرف اپنے دین (مذہب) کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ کیونکہ حکومت کے اس طرزِ عمل سے ان مقاصد کی صریحاً خلاف ورزی ہوگی' جو مطالبۂ پاکستان کے بنیادی محرک تھے۔ حالانکہ یہی مقاصد تو اس مملکت کا سنگ بنیاد ہونے چاہئیں' جسے ہم تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مملکت ایک ایسا ماحول پیدا کرے گی' جو ایک حقیقی اسلامی معاشرے کی تعمیر میں مدد و معاون ثابت ہوگا' جس کا مطلب یہ ہے کہ مملکت پاکستان کو اپنی کوشش و کاوش میں مثبت پہلو اختیار کرنا ہوگا۔

جناب والا' آپ کو یاد ہوگا کہ قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے دوسرے مرکزی رہنماؤں نے ہمیشہ یہ بڑے واضح اور غیر مبہم اعلانات (uniquivocal declarations) کیے ہیں کہ: پاکستان کے قیام کے لیے مسلمانوں کا مطالبہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ مسلمانوں کے ہاں اپنے 'طریق زندگی اور ضابطہ اخلاق' (way of life and code of conduct) موجود ہیں۔ انہوں نے بارہا اس امر پر بھی زور دیا ہے کہ اسلام کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ

اللہ اور بندے کے درمیان ایک ایسا نجی تعلق قائم ہو' جسے مملکت کے کاروبار (working of the state) میں کسی قسم کا دخل نہ ہو' بلکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اسلام سماجی اخلاق کے متعلق معاشرے کے طرزِ عمل کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام محض ذاتی عقائد اور انفرادی اخلاق کا نام نہیں ہے' بلکہ وہ اپنے ماننے والوں سے توقع کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کریں' جس کا مقصد حیاتِ صالح (good life) ہو۔ اہلِ یونان کے برعکس اسلام نے صالح زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے' اس کی بنیاد لازمی طور پر روحانی قدروں پہ قائم ہے۔

ان اقدار کو اہمیت دینے اور انہیں نافذ کرنے کے لیے مملکت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی سرگرمیوں کی اس طریقے پر ہم نوائی کرے' کہ جس سے ایک ایسا نیا سماجی نظام (social order) قائم ہو جائے' جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہو۔ ایک ایسا سماجی نظام کہ جس میں جمہوریت' حریت' رواداری اور سماجی عدل شامل ہیں۔ ان امور کا ذکر تو میں نے محض بطور مثال کیا ہے' کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات جو قرآن مجید اور سنّتِ نبوی ﷺ پر مشتمل ہیں' محض اسی بات پر ختم نہیں ہو جاتیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہو سکتا جس کا اس پر ایمان نہ ہو کہ کلام اللہ اور اُسوۂ رسول ﷺ ہی اس کے روحانی فیضان کے بنیادی سرچشمے ہیں۔ ان سرچشموں کے متعلق مسلمانوں میں کوئی اختلافِ رائے نہیں ہے اور اسلام کا کوئی ایسا مکتبِ فکر نہیں' جو ان کے وجود کو تسلیم نہ کرتا ہو۔

لہٰذا' کسی بھی ایسے فرقے کو جو پاکستان میں اقلیت میں ہو' اس مملکت کی نیت (intention) کی طرف سے اپنے دل میں کوئی غلط فہمی نہیں رکھنی چاہیے۔ یہ مملکت ایک ایسا اسلامی معاشرہ پیدا کرنے کی کوشش کرے گی' جو باہمی تنازعات سے پاک ہو۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اعتقادات کے معاملے میں وہ مسلمانوں کے کسی مکتب فکر کی آزادی کو سلب کرے گی۔ کسی مکتب فکر کو خواہ وہ اکثریت میں ہو یا اقلیت میں' یہ اجازت نہیں ہوگی کہ دوسروں کو اپنا حکم قبول کرنے پر مجبور کرے' بلکہ اپنے اندرونی معاملات اور فرقہ وارانہ اعتقادات میں تمام فرقوں کے لیے وسعت خیال و عمل کا اہتمام ہوگا اور کامل آزادی کو یقینی بنایا جائے گا۔ درحقیقت ہمیں یہ امید ہے کہ مختلف مکاتب فکر اس منشا کے مطابق عمل کریں گے' جو اس حدیث نبویؐ میں مذکور ہے: ''میری اُمت (کے لوگوں) میں اختلاف رائے ایک رحمت ہے''۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اپنے اس (فطری) اختلاف کو اسلام اور پاکستان کے لیے باعثِ استحکام بنائیں اور چھوٹے موٹے مفادات کے لیے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں' کیونکہ اس طرح

پاکستان اور اسلام دونوں کمزور ہو جائیں گے۔ بسا اوقات اختلافاتِ رائے ہم آہنگی اور ترقی کا ذریعہ بن جاتے ہیں' لیکن یہ صرف اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب رائے کے اختلافات میں اس امر کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ ہمارے حقیقی نصب العین کو جو اسلام کی خدمت اور اس کے مقاصد کو ترقی دیتا ہے' اسے نظروں سے اوجھل کر دیں۔ پس ظاہر ہے کہ قرارداد میں اس دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک ایسا سیاسی نظام قائم کرنے کی سہولت دی جائے' جس کی تجربہ گاہ (laboratory) میں وہ دنیا کو عمل کر کے دکھا سکیں' کہ اسلام دنیا میں نہ صرف ایک متحرک اور ترقی پسند طاقت ہے' بلکہ وہ ان گوناگوں خرابیوں کا علاج بھی مہیا کرتا ہے' جن میں آج نوعِ انسانی مبتلا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو اپنی پستی اور محکومی کے طویل دور میں ہمیشہ اس قسم کے موقع کی تلاش رہی ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کے مقصد میں ہم نے غیر مسلموں کے حقوق کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ اگر ہم اقلیتوں کی آزادی میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتے تو یہ ایک غیر اسلامی فعل ہوتا' اور ایسا کر کے ہم یقیناً اپنے دینی احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے۔ اقلیتوں کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے' اس کی حفاظت کرنے یا اپنی ثقافت کو فروغ دینے سے کسی طرح روکا نہیں جائے گا۔ اسلامی ثقافت کے نشوونما کی تاریخ بتاتی ہے' کہ مسلمان حکومتوں اور سلطنتوں کے تحت زندگی بسر کرنے والی اقلیتوں کی ثقافتیں اس دولت میں اضافہ کرنے کا موجب ہوئی ہیں' جسے مسلمانوں نے بطور وراثت حاصل کر کے فروغ دیا ہے۔ میں اقلیتوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمیں اس امر کا پورا پورا احساس ہے کہ اگر اقلیتیں انسانی علم وفکر کی دولت میں اضافہ کر سکنے کے قابل ہوں گی' تو یہ امر پاکستان کی نیک نامی میں چار چاند لگائے گا اور اس سے قوم کی زندگی اور توانائی میں قابل قدر اضافہ ہوگا۔ اس لیے اقلیتوں کو نہ صرف مکمل آزادی کی توقع کرنی چاہیے' بلکہ یہ امید بھی رکھنی چاہیے کہ اکثریت ان کے ساتھ قدردانی اور احترام کا وہی برتاؤ کرے گی' جو تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

جناب والا' قرارداد کے مطابق طرزِ حکومت وفاقی ہونا چاہیے' کیونکہ جغرافیائی حالات اسی قسم کی طرزِ حکومت کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس صورت میں' جب کہ ہمارے ملک کے دو حصوں کے درمیان ایک ہزار میل سے بھی زیادہ فاصلہ موجود ہے' مجلس دستور ساز' ان جغرافیائی وحدتوں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے اور بہتر رابطے پیدا کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرے گی' جن سے ہماری قوم پوری طرح متحد و منظم بن جائے۔ بلاشبہ میں نے ہمیشہ صوبہ

پرستی کے جذبات کو بھڑکانے کی کوششوں کی سخت مخالفت کی ہے' مگر میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں' کہ میں غیر منصفانہ یکسانیت کا حامی بھی نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ جن علاقوں اور جغرافیائی اکائیوں پر پاکستان مشتمل ہے' ان سب کو ہماری قومی زندگی کی خوبیاں بڑھانے میں حصہ لینا چاہیے۔ لیکن میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں کسی ایسی بات کی اجازت نہیں دینی چاہیے' کہ جو کسی طرح بھی پاکستان کی قومی وحدت کو کمزور کرنے کا ذریعہ بنے۔ ہم آبادی کے مختلف طبقوں کے موجودہ باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کا بندوبست کرنے کا پختہ عزم وارادہ رکھتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے مجلس دستور ساز کو اس مسئلے پر از سرِ نو غور کرنا ہوگا' کہ کون سے امور مرکز کے تحت ہونے چاہئیں اور کون سے امور صوبوں کے پاس رہیں؟ مزید یہ کہ ہمارے نئے نظام میں صوبوں کا تعین کس طرح کیا جائے؟

صدر محترم' بعض بنیادی حقوق کے تحفظ کا یقین دلانا بھی ایک رسمی سی بات ہوگئی ہے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہم ایک ہاتھ سے حقوق دیں اور دوسرے ہاتھ سے انہیں واپس لے لیں۔ میں اس بات کے ثبوت میں بہت کچھ کہہ چکا ہوں' کہ ہم حقیقی معنوں میں ایک آزاد روحکومت بنانا چاہتے ہیں' جس کے تمام ارکان کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہوگی۔ قانون کی نظر میں تمام شہری برابر ہوں گے۔ لیکن اس بات کا یہ مطلب نہیں ہے' کہ ان فرقوں کے شخصی قانون (personal law) کا تحفظ نہیں کیا جائے گا۔ قانون' حیثیت اور انصاف کے معاملے میں مساوات ہمارا عقیدہ ہے۔

یہ ہمارا پختہ یقین ہے اور ہم نے اکثر جگہ اس کا اعلان کیا ہے' کہ پاکستان مفاد پرستوں اور مال دار طبقوں کی ہوس زر کے لیے نہیں بنا ہے' بلکہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر ایک منصفانہ معاشی نظام تعمیر کرنا ہمارا مقصد ہے۔ کیونکہ یہ اصول دولت کی بہتر تقسیم میں اور ناداری کو ختم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اپنے عروج وکمال پر پہنچنے میں جو وجوہ انسانیت کی راہ میں مانع ہیں' وہ افلاس اور پس ماندگی ہیں' اور پاکستان سے ہم (ان شاء اللہ) ان کو مٹا کر چھوڑیں گے۔ اس وقت ہمارے عوام غریب و ناخواندہ اور ان پڑھ ہیں' چنانچہ ہمیں ضرور ان کا معیارِ زندگی بلند کرنا ہے۔ انہیں افلاس اور جہالت کی زنجیروں سے ضرور آزاد کرانا ہے۔

جہاں تک سیاسی حقوق کا تعلق ہے' تو اس ضمن میں حکومت کی اجتماعی حکمتِ عملی کے تعین میں اور ان لوگوں کے انتخاب میں ہر شخص کو دخل ہوگا' جو حکومت چلانے کے لیے منتخب کیے جائیں گے' تاکہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں حکومت کا نظم ونسق ہو' وہ مفادِ عامہ کا خیال رکھتے

ہوئے اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ چونکہ ہمیں یہ یقین ہے کہ خیالات کے اظہار پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوسکتی' اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ کسی شخص کو اس کے خیالات کے اظہار سے باز رکھیں۔ نہ ہم کسی کو جائز قانونی اور اخلاقی مقاصد کے پیش نظر عوامی رابطے اور انجمن سازی سے روکنا چاہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہم اپنے نظامِ حکومت کی بنیاد آزادی' ترقی اور سماجی عدل پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سماجی عدمِ توازن کو اس طریقے سے ختم کرنا چاہتے ہیں' کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے اور انسانی خیالات اور جائز رجحانات پر بھی پابندیاں عائد نہ ہوں۔

جناب والا' اقلیتوں کے بہت سے مفادات ایسے ہیں جن کا وہ بجا طور پر تحفظ چاہتے ہیں۔ یہ قرارداد ان حقوق کے برملا تحفظ کی ضامن ہے۔ ہماری خصوصی ذمہ داری معاشی اعتبار سے پس ماندہ لوگوں کی دست گیری سے منسوب ہے۔ ہم اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ وہ بغیر کسی قصور کے اپنی موجودہ قابل رحم حالت میں مبتلا ہیں۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم ان ہم وطنوں کی اس معاشی زبوں حالی تک پہنچنے کے کسی طرح بھی ذمہ دار نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ہمارے شہری ہیں' اس لیے ہماری خاص طور پر یہ کوشش ہوگی' کہ ہم انہیں دوسرے آسودہ حال شہریوں کے دوش بدوش لے آئیں' تاکہ وہ ان ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں' جو ایک آزاد اور ترقی پسند مملکت کے شہری ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ جب تک ہمارے عوام میں پس ماندہ طبقے موجود ہیں' ہمارے معاشرے کی ترقی کی رفتار سست رہے گی۔ لہٰذا' مملکت کی تعمیر کے لیے یہ ضروری ہے' کہ ہم ان پس ماندہ اور زیردست طبقوں کے بنیادی' معاشی اور سماجی مفادات کو ملحوظ رکھیں۔

آخر میں' میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں اور ہمیں پختہ یقین ہے کہ ہم پاکستان کی بنیادیں ان اصولوں پر قائم کر کے' جن کی وضاحت کی گئی ہے' اس مملکت کو ترقی کی راہ پر ڈال دیں گے۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان ایک ایسا ملک بن جائے گا' جس کے باشندے بلاتمیز عقیدہ و حیثیت اس پر فخر کیا کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے عوام بڑی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ اپنی بے بہا قربانیوں اور اس قابل تعریف نظم وضبط کی بدولت جس کا مظاہرہ انھوں نے ایک ابتلائی اور تاریک دور میں کیا ہے' وہ تمام دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی قوم نہ صرف زندہ رہنے کی مستحق ہے' بلکہ وہ انسانیت کی فلاح اور ترقی میں بھی لازمی طور پر اضافہ کرے گی۔ یہ ضروری ہے کہ ہماری قوم اپنے جذبۂ قربانی کو زندہ رکھے اور اپنے اعلیٰ نصب العین پر قائم رہے۔ پھر قدرت خود اسے اس بلند مقام پر پہنچا دے گی' جو دنیاوی امور کی انجام دہی

کے سلسلے میں اس کے لیے موزوں ہے' اور اسے انسانیت کی تاریخ میں زندہ جاوید بنا دے گی۔

جناب والا' یہ قوم زبردست کامیابیوں کی روایات رکھتی ہے۔ اس کی تاریخ شان دار کارناموں سے بھرپور ہے۔ اس نے زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کے ساتھ پورا پورا حصّہ لیا ہے۔ ہماری قوم کی بہادری کے کارنامے فوجی تاریخ کی زینت ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس کے ارکانِ نظم ونسق نے ایسی روایات قائم کی ہیں' جو زمانے کی دست برد سے اب تک محفوظ ہیں۔ اس کے تخلیقی فنون' شعروشاعری' فن تعمیر اور جمالیاتی ذوق نے دنیا بھر سے خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ روحانی عظمت کے لحاظ سے یہ قوم عدیم المثال ہے۔ اب پھر یہی قوم راہ عمل پر گام زن ہے اور اگر اسے ضروری مواقع میسّر آجائیں تو وہ اپنی شان دار کامیابیوں کی سابقہ عظیم الشان روایات سے بھی بہتر کام کر دکھائے گی —— قراردادِ مقاصد اس ماحول کو پیدا کرنے کی طرف پہلا قدم ہے' جس سے قوم کی روح پھر سے بیدار ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو قوم کی اس نشاۃِ ثانیہ کے زبردست عمل میں حصہ لینے کے لیے منتخب کیا ہے' خواہ وہ حصہ کتنا ہی حقیر اور غیر اہم کیوں نہ ہو۔ ہم ان زبردست اور گوناگوں مواقع سے' جو آج ہمیں حاصل ہیں' محو حیرت ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان مواقع سے خردمندی اور دُور اندیشی کے ساتھ فائدہ اٹھائیں۔ مجھے اس میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں' کہ اللہ کے فضل و کرم سے جس کی رحمت سے پاکستان قائم ہوا ہے' ہماری یہ کوششیں ہماری بڑی سے بڑی توقعات سے بڑھ چڑھ کر بارآور ثابت ہوں گی۔

بڑی قوموں کو اپنی میراث روز روز نہیں ملتی۔ قوموں کی نشاۃِ ثانیہ کا دروازہ ہر روز نہیں کھلتا۔ قدرت ہر روز مظلوموں اور محکوموں کو نہیں اُبھارتی اور انہیں شان دار مستقبل کی طرف بڑھنے کی بار بار دعوت نہیں دیتی۔ روشنی کی کرنیں افق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روزِ روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہیں اور ہم اس طلوع کا اس قرارداد کی شکل میں خیر مقدم کرتے ہیں۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

خطاب مولانا شبیّر احمد عثمانی☆

جناب صدر محترم!

قرار دادِ مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خاں صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے' میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں' بلکہ آج اس بیسویں صدی میں (جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کش مکش اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے) ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کی عزم و ہمت اور جرأتِ ایمانی کو مبارک باد دیتا ہوں۔

اگر غور کیا جائے تو یہ مبارک باد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں' بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روحِ انسانیت کی جانب سے ہے' جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آز اور رقیبانہ ہوس ناکیوں کے میدانِ کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر دردانگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگ دل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں' اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لیے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں۔ مگر پھر علاج و دوا کی جستجو میں وہ اس لیے ناکام رہتے ہیں' کہ جو مرض کا اصل سبب ہے اسی کو دوا اور اکسیر سے سوا سمجھ لیا جاتا ہے۔

یاد رکھیے' دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے' اس سے نکلنے کے لیے جس قدر پھڑ پھڑائے گی' اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی۔ وہ صحیح راستہ گم کر چکی ہے۔ جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے' اس پر جتنے زور سے بھاگے گی' وہ حقیقی فوز و فلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔

ہمیں اپنے نظامِ حیات کو درست اور کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا انجن جس لائن پر اندھا دھند چلا جا رہا ہے اسے تبدیل کریں' اور جس طرح بعض دفعہ لائن تبدیل کرتے وقت گاڑی کو کچھ پیچھے ہٹانا پڑتا ہے' ایسے ہی صحیح لائن پر آگے بڑھنے کی غرض سے ہم کو پیچھے ہٹنا پڑے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر ایک شخص کسی راستے پر بے تحاشا دوڑ رہا ہے اور ہم دیکھیں کہ چند قدم آگے بڑھنے پر وہ کسی ہلاکت کے غار میں جا پڑے گا تو ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ اسے ادھر سے پیچھے ہٹا کر صاف اور سیدھی شاہراہ پر ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ یہی حال آج دنیا کا ہے۔ اگر ہماری اس نئی اور بے چین دنیا کو اپنے تباہ کن مصائب سے چھٹکارا

☆ ۹ مارچ' ۱۹۴۹ء : پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں خطاب

حاصل کرنا ہے' تو اسے حالات کا بالکل جڑ بنیاد سے از سرِ نو جائزہ لینا ہوگا۔ کسی درخت کی شاخوں اور پتوں پر پانی چھڑکتے رہنا بے کار ہے' اگر اس کی جڑ جو سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبی ہوئی ہے' مضبوط نہ ہو۔

آج کے بہت سے بکھرے ہوئے مسائل' خواہ ان سے آپ کو کتنی ہی دل چسپی اور شغف کیوں نہ ہو' کبھی ٹھیک طور پر سنور اور سلجھ نہیں سکتے' جب تک ان کے اصول بلکہ اصل الاصول درست نہ ہو جائے۔ قدامت پرستی اور رجعت پسندی کے طعنوں سے نہ گھبرائیے' بلکہ کشادہ دل و دماغ کے ساتھ' ایک متجسّسِ حق کی طرح الجھی ہوئی ڈور کا سِرا پکڑنے کی کوشش کیجیے۔ جو باتیں طاقت ور اور ذی اقتدار قوموں کے زبردست پروپیگنڈے یا غیر شعوری طور پر ان کے حاکمانہ اقتدار اور مسحور کن مادی ترقیات کے زور و اثر سے بطور مسلماتِ عامّہ' اصولِ موضوعہ اور مفروع عنہا صداقتوں کے (طور پر) تسلیم کر لی گئی ہیں' انہی پر تجدید فکر و نظر کی ضرورت ہے۔ اس پکّے ارادے کے ساتھ کہ جس چیز پر ہم صدیوں کی کاوشوں کے نتیجے میں اعتقاد جمائے بیٹھے تھے' وضوح حق (یعنی اظہارِ حق) کے بعد ایک لمحے کے لیے اس پر قائم رہنا ہم جرمِ عظیم سمجھیں گے۔ اگر دُنیا کو انسانیت کی حقیقی فلاح کے لیے کسی نتیجے پر پہنچنا ہے' تو اسے ان قدیم اور اٹل نظریات پر ضرور غور کرنا ہوگا' جنہیں مادی اور معاشی مسابقت کی بے تحاشا دوڑ میں بہت سی قومیں پیچھے چھوڑ آئی ہیں۔

اسے یوں خیال کیجیے کہ کتنی صدیوں تک سکونِ ارض کے متعلق بطلیموس کا نظریہ دنیا پر مستولی رہا اور فیثا غورث کی آواز پر کسی نے توجہ نہ کی۔ پھر ایک وقت آیا کہ ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہوا وہ بیج جو فیثا غورث دبا گیا تھا' زمین کے سینے کو چاک کر کے باہر نکلا اور برگ و بار لا کر رہا۔ سچائی کا پرستار کبھی اس کی پروا نہیں کرتا کہ کسی زمانے میں یا طویل عرصے تک لوگ اس کے ماننے سے آنکھیں چرائیں گے' یا ناک بھوں چڑھائیں گے۔ حق اکیلا رہ کر بھی حق ہی رہتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ ایک دن ضرور آئے گا' کہ جب اس کے جھٹلانے والے زمانے کے دھکّے مکّے کھا کر اسی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے۔ آج وہ دن قریب آ رہا ہے' اور جیسا کہ آنریبل جناب لیاقت علی خاں نے فرمایا: روشنی کی کرنیں اُفق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روزِ روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہیں۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے کو خفاش (چمگادڑ) صفت ثابت نہ کریں' جو دن کی روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔ پاکستان' مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت و الحاد کے اندھیروں

میں بھٹکی ہوئی دنیا کو روشنی کا ایک مینار دکھانا چاہتا ہے۔ یہ دنیا کے لیے کوئی چیلنج نہیں' بلکہ انسانیت کے لیے پُرامن پیغامِ حیات ونجات ہے اور اطمینان اور خوش حالی کی راہ تلاش کرنے والوں کے لیے سہولت مہیا کرتا ہے۔ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ دنیا کے لیے عموماً اور پاکستان کے لیے خصوصاً کسی قسم کا نظام تجویز کرنے سے پہلے پوری قطعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور ہماری یہ مملکت بھی شامل ہے' مالکِ اصلی اور حاکمِ حقیقی کون ہے؟ اور ہے یا نہیں؟

اب اگر ہم اس کا مالک کسی خالق الکُل اور مقتدرِ اعلیٰ ہستی کو مانتے ہیں' جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس ایوان کے تمام ارکان و اعضاء کا یہ عقیدہ ہوگا' تو ہمارے لیے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہوگا کہ کسی مالک کی' خصوصاً اس مالک علی الاطلاق کی مِلک میں ہم اسی حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں' جہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمیں اجازت دے دے۔ ملک غیر میں کوئی غاصبانہ تصرّف ہمارے لیے جائز نہیں ہوسکتا۔ پھر ظاہر ہے کہ کسی مالک کی اجازت و مرضی کا علم اس کے بتلانے ہی سے ہوسکتا ہے۔ سو' اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہم السلام اسی لیے بھیجے' اور وحی ربانی کا سلسلہ اسی لیے قائم کیا' کہ انسانوں کو اس کی مرضی اور اجازت کے صحیح حدود معلوم کرا دیے جائیں۔ اسی نکتۂ خیال کے پیش نظر ریزولیوشن میں ''اسی کے مقرّر کردہ حدود کے اندر'' کے الفاظ رکھے گئے ہیں اور یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جہاں سے دینی اور خالص مادی حکومتوں کی لائنیں ایک دوسرے سے الگ ہوجاتی ہیں۔

یہ نظریہ کہ ''دین و مذہب کا تعلق انسان اور اس کے مالک سے ہے' بندوں کے باہمی معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں' نہ سیاست میں اس کا کوئی دخل ہے''۔ اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ممکن ہے دوسرے مذاہب جو آج کل دنیا میں موجود ہیں' ان کے نزدیک یہ نظریہ درست ہو اور وہ خود کسی جامع و حاوی نظامِ حیات سے تہی دامن ہوں' مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ایسے تصور کی اس میں کوئی گنجائش نہیں' بلکہ اس کی تمام تر تعلیمات اس باطل تصور کی دشمن ہیں۔

قائداعظم مرحوم نے ۱۷ر ستمبر ۱۹۴۴ء کو گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا' اس میں لکھتے ہیں:

''قرآن' مسلمانوں کا مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی' دیوانی اور فوجداری' عسکری اور تعزیری' معاشی اور معاشرتی' غرض کہ سب شعبوں کے احکام

موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ کے امورِ حیات تک' روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک' جماعت کے حقوق سے لے کر فرد کے حقوق و فرائض تک' دُنیوی زندگی میں جزا و سزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا و سزا تک' ہر فعل' قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا' جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہیں تو حیات و مابعدِ حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں۔''

۱۹۴۵ء میں قائداعظم مرحوم نے عید کا پیغام دیتے ہوئے کہا کہ:

''ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات اور اخلاقیات تک محدود نہیں' بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانونِ حیات ہے' یعنی مذہبی' معاشرتی' تجارتی' تمدنی' عسکری' عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول ﷺ کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اس کا بغور مطالعہ کرے' تاکہ یہ اس کی انفرادی و اجتماعی ہدایات کا باعث ہو۔''

قائداعظم نے ان خیالات و عزائم کا بار بار اظہار کیا ہے۔ کیا ایسی واضح اور مکرّر تصریحات کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ سیاست و حکومت' مذہب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی' یا یہ کہ اگر آج قائداعظم زندہ ہوتے تو یہ قرارداد مقاصد پیش نہیں ہوسکتی تھی۔

قرآن حکیم میں صاف صاف ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾﴾ (النساء)

''نہیں' اے محمد ﷺ تمہارے ربّ کی قسم یہ کبھی مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں' بلکہ سر بسر تسلیم کرلیں۔''

اور (قرآن کریم مزید یہ کہتا ہے):

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾﴾ (المائدۃ) ''جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں.... ﴿هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾﴾ (المائدۃ) وہی ظالم ہیں.... ﴿هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿٤٧﴾﴾ (المائدۃ) وہی فاسق ہیں۔''

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام میں دینی حکومت کے معنی 'پاپائیت' یا 'کلیسائی حکومت'

کے نہیں ہیں۔ بھلا جس بُت کو قرآن نے ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے۔ التوبہ ۹:۳۱) کہہ کر توڑا ہے، کیا وہ اسی کی پرستش کو جائز رکھ سکتا ہے؟

اسلامی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے، جو اسلام کے بتائے ہوئے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول پر چلائی جائے۔ اس لحاظ سے وہ ایک خاص قسم کی اصولی حکومت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی اصولی حکومت کو چلانا، خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی، دراصل انہی لوگوں کا کام ہوسکتا ہے جو ان اصولوں کو مانتے ہوں۔ جو لوگ ان اصولوں کو نہیں مانتے، ایسی حکومت، انتظامِ مملکت میں ان کی خدمات تو ضرور حاصل کرسکتی ہے، مگر مملکت کی جنرل پالیسی یا کلیدی انتظام کی باگ ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتی۔

اسلامی حکومت دراصل نیابتی حکومت ہے۔ اصل حاکم خدا ہے۔ انسان زمین پر اس کا خلیفہ ہے، جو حکومت در حکومت کے اصول پر دوسرے مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ داریوں کو بھی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے۔

مکمل اسلامی حکومت، حکومتِ راشدہ ہوتی ہے۔ لفظ 'رشد' حکومت کے انتہائی اعلیٰ معیارِ حسن وخوبی کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت، حکومت کے کارکن، اور مملکت کے عوام کو نیکوکار ہونا چاہیے۔ قرآن نے حکومتِ اسلامی کی یہی غرض وغایت قرار دی ہے، کہ وہ انسانوں کو اپنے دائرہ اقتدار میں نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔

اسلام آج کل کی سرمایہ پرستی کے خلاف ہے۔ اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں، جمع شدہ سرمائے کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے، اس کو دائر و سائر رکھنا چاہتی ہے۔ مگر اس کام کو اخلاقی، نیز قانونی طریقے پر عام خوشدلی، عدل اور اعتدال کے ساتھ کرتی ہے۔ اسلامی حکومت شخصی ملکیت کی نفی نہیں کرتی۔ مناسب حد تک 'رأس المال' رکھنے کی اجازت دیتی ہے، زائد سرمائے کے لیے ملی بیت المال قائم کرتی ہے، جس میں سب کے حقوق مشترک ہیں اور اس سرمائے کی تقسیم سے سرمائے اور افلاس کے درمیان توازن اور اعتدال کو بحال رکھتی ہے۔

'شوریٰ' اسلامی حکومت کی اصل ہے: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ: ۳۸)۔ اسلامی حکومت دنیا میں پہلا ادارہ ہے، جس نے شہنشاہیت کو ختم کرکے استصواب رائے عامہ کا اصول جاری کیا، اور بادشاہ کی جگہ عوام کے انتخاب کردہ امام (سربراہ ریاست) کو حکومت عطا

کی۔ محض توریث (وراثت) یا جبر واستبداد کے راستوں سے بادشاہ بن بیٹھنا اسلام کے منشا کے سراسر خلاف ہے۔ وہ جمہور کی مرضی اور انہی کے ہاتھوں سے اسٹیٹ کو اختیار دلاتا ہے۔ ہاں، انہیں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ امارت کی کوئی تنظیم نہ کریں اور اقتدار اپنے ہی پاس روک کر انتشار، ابتری اور طوائف الملوکی پھیلا دیں۔ یہ اولیت کا ایسا شرف ہے، جو اسلامی حکومت کو دنیا کی تمام جمہوریتوں پر حاصل ہے۔

اسلامی سلطنت کا بلند ترین منتہائے خیال یہ ہے کہ سلطنت کی بنا جغرافیائی، نسلی، قومی، حرفتی، اور طبقاتی قیود سے بالاتر ہوکر انسانیت اور ان اعلیٰ اصولوں پر ہو، جن کی تشیید وترویج کے لیے وہ قائم کی جاتی ہے۔

اسلامی حکومت پہلی حکومت ہے جس نے اس منتہائے خیال کو پورا کرنے کے لیے اپنی خلافتِ راشدہ کی بنیاد انسانیت پر رکھی۔ یہ حکومت اپنے کاموں میں رائے عامہ، مساواتِ حقوق، آزادی ضمیر اور سادگی کا امکانی حد تک خیال رکھتی ہے۔

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اپنے قلمرو میں بسنے والے تمام غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوئے ہوں (ان کے) جان، مال، آبرو، مذہبی آزادی اور عام شہری حقوق کی پوری حفاظت کرے۔ اگر کوئی طاقت ان کے جان ومال وغیرہ پر دست درازی کرے تو حکومت اس سے جنگ کرے، اور ان (غیر مسلم شہریوں) پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے، جو ان کے لیے ناقابلِ تحمل ہو۔ جو ملک صلحاً حاصل ہوا ہو، وہاں کے غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوئے ہوں، ان کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ پھر غیر مسلموں کے یہ حقوق محض اکثریت کے رحم وکرم پر نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عائد کیا ہوا ایک فرض ہے، جس سے کسی وقت بھی انحراف جائز نہیں۔

اس کے بعد دینی حکومت کی مزعومہ خرابیوں کا جہاں تک تعلق ہے، جواب میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ علم وتحقیق کی روشنی میں موجودہ ترقی یافتہ حکومتوں کے طور طریقوں کو خلفائے اربعہؓ کے بے داغ عہد حکومت کے مقابلے میں رکھ کر مفادِ عامہ کے لحاظ سے وزن کرلیا جائے۔ آج ظلم وجبر، عہد شکنی، مالی دست برد، کشت وخون، بربادی وہلاکت، انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی، افراد کی عدمِ مساوات اور جمہور کے حقوق کی پامالی کی جو مثالیں دور بین سے دیکھے بغیر صاف نظر آرہی ہیں، خلفاء (راشدینؓ) کے ترقی یافتہ عہد میں اس کا خفیف سا نشان بھی نہ ملے گا۔ غرض یہ کہ بیان کردہ خرابیاں اسلامی حکومت کی خرابیاں نہیں ہیں، بلکہ ان انسانی گمراہیوں

سے اخذ کی گئی ہیں‘ جنہوں نے خالص مادی طرزِ حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ گاندھی جی نے اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا تھا‘ جب ۱۹۳۷ء میں آپ نے کانگرسی وزرا کو یہ ہدایات دیں کہ: ’’تم ابوبکرؓ اور عمرؓ کی سی حکومت قائم کرو‘‘۔ نیز قائداعظم مرحوم نے دستور کی اسی اساس کی طرف اشارہ کیا تھا‘ جب ۱۹۴۳ء میں بمقام جالندھر‘ آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ’’میرے خیال میں مسلمانوں کا طرزِ حکومت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصلہ کر دیا تھا۔‘‘

قائداعظم نے نومبر ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف کے نام جو خط لکھا‘ اس میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ:

> ’’اس بات کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ قانون ساز اسمبلی‘ جس میں بہت زیادہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی‘ مسلمانوں کے لیے ایسے قانون بنا سکے گی جو اسلامی قانون کے خلاف ہو اور نہ پاکستانی غیر اسلامی قانون پر عمل کر سکیں گے۔‘‘

اس قسم کے اعلانات قیام پاکستان سے پہلے قائداعظم اور دوسرے زعمائے (مسلم) لیگ کی طرف سے برابر ہوتے رہے‘ جن کا بخوفِ طوالت ہم استیعاب نہیں کر سکتے۔

بہرحال‘ ان بیانات کے پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقصد اور مطمح نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام و اشتباہ نہیں رہ سکتا‘ اور جس قدر باتیں آئین و نظام اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کہی جا رہی ہیں‘ ان سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلانات کیے جا رہے تھے‘ جب یہ سب کچھ جان کر اور سمجھ کر دوسری قوم نے تقسیم ہند کے فیصلے پر دستخط کیے اور پاکستان کی اقلیت نے ان مقاصد کو مانتے ہوئے ہمارے ساتھ اشتراکِ عمل کیا۔ اب پاکستان قائم ہونے کے بعد اس نقطۂ نظر سے انحراف کی کوئی وجہ جواز ان کے پاس موجود نہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی مخلوط مساعی سے عمل میں آیا ہے۔ لیکن پاکستان کا حصول خالص مسلم قوم کی مساعی اور قربانیوں کا رہین منت ہے‘ اور ان کی قومی خصائص و ممیّزات کے تحفظ کا داعیہ اس کا محرک ہوا ہے۔ اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا کچھ علاج ہمارے پاس نہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی فراموش نہ کیجیے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدمِ توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت (کمیونزم) کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام

ہے۔ اگر ہم پاکستان یا عالمِ اسلام کو اس بھیانک خطرے سے بچانا چاہتے ہیں‘ تو اس کی واحد صورت یہی ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا اعلان و آغاز کریں‘ اور تمام اسلامی ممالک کو اسلام کے نام پر اسی کی دعوت دیں۔ اگر اس طرح تمام اسلامی ممالک آئینی طور پر متّحد ہو گئے تو قدرتی طور پر وہ وحدتِ اسلامی قائم ہو جائے گی‘ جس کی ہم سب مدّت سے آرزو رکھتے ہیں‘ اور جو اشتراکیت اور سرمایہ پرستی دونوں کی روک تھام کے لیے مضبوط آہنی دیوار کا کام دے گی۔

بہت سے لوگوں کو یہ خیال گزرتا ہے کہ: ابھی تک ہمارا کاروبار جس ڈگر پر چل رہا ہے‘ اسلام اور اسلامی آئین کا اعلان کر کے ہم اسے ایک دم کیسے بدل سکتے ہیں؟ یہ تو ہمارے اجتماعی حالات میں ایسا انقلاب عظیم ہوگا جو ہماری قومی زندگی کی کایا پلٹ کر رکھ دے گا‘ اور جس کے لیے ہمیں جدید کانسٹی ٹیوشن کے چلانے کے لیے کثیر تعداد میں مناسب رجال کار تیار کرنے پڑیں گے‘ اور (اس کے لیے) بہت طویل عرصہ درکار ہوگا — میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے‘ لیکن اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے بھی اسے بخوبی محسوس کرتے ہیں۔

اسلامی آئین و نظام کے اعلان سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصلی نصب العین اور اس کی انتہائی منزل مقصود واضح اور مستحضر ہو جائے‘ تاکہ اس کی روشنی میں ہمارا جو قدم اٹھے‘ وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنے والا ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہوگا اور بتدریج ہی ہو سکتا ہے۔ جو کام فی الحال کیے جا سکتے ہیں‘ وہ فوراً کرنے ہوں گے‘ اور جن کاموں کے لیے سردست حالات سازگار نہیں ہیں وہ فوراً نفاذ پذیر نہ ہوں گے‘ بلکہ حکیمانہ اسلوب پر حالات کو سازگار بنانے کی ہر امکانی کوشش عمل میں لائی جائے گی۔ بہرحال انسان اسی چیز کا مکلّف ہے‘ جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے۔

یہی وہ بات ہے جو میں تقسیم سے قبل اپنے مختلف بیانات و خطبات میں کھول کر کہہ چکا ہوں۔ چنانچہ خطبۂ لاہور میں‘ میں نے عرض کیا تھا کہ: ’’جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بہ تدریج پھیلتی ہے‘ یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے‘ دفعتہً و بغتہً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا‘ اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائے گا۔‘‘

جناب صدر محترم!

آخر میں ایوان ہذا کے معزز ممبران کی خدمت میں، میں عرض کروں گا، کہ اس ڈھیلے ڈھالے ریزولیوشن سے گھبرانے اور وحشت کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی فرقوں کے اختلافات تحریک پاکستان کی برکت سے بہت کم ہو چکے ہیں، اور اگرچہ کچھ باقی ہیں تو ان شاء اللہ برادرانہ مفاہمت سے صاف ہو جائیں گے۔ کیونکہ تمام اسلامی فرقے اور ملک، آج اسلامی نظام کی ضرورت کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں۔ اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے غیر مسلم دوست بھی اگر ایک مرتبہ تھوڑا سا تجربہ کر کے دیکھ لیں گے، تو اگلی اور پچھلی سب تلخیاں بھول جائیں گے اور بہت مطمئن رہیں گے، بلکہ فخر کریں گے کہ ہم سب پاکستانیوں نے مل کر عام ہیجان اور اضطراب کے زمانے میں انسانیت عامہ کی اس قدر عظیم الشان خدمت انجام دی، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز۔

اب بڑا اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ دستور سازی کی مہم ایسے قابل، فہیم، مضبوط اور محتاط ہاتھوں کے سپرد ہو، جو اس ریزولیوشن کے خاص خاص نکتوں کی حفاظت کر سکیں، اس کے فحوا (مفہوم) کو بخوبی سمجھ سکیں، اور جو دستور تیار کیا جائے وہ صحیح لائن سے ہٹنے نہ پائے۔ یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے، جو اللہ ہی کی توفیق سے آسان ہوگا۔ بہرحال ہم آئندہ کام کرنے میں ہر قدم پر اس چیز کے منتظر رہیں گے، وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق۔

[تشکّر: ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور]

معمارِ پاکستان نے فرمایا:

''اسلامی اصول آج بھی ہماری زندگی کے لیے اسی طرح قابلِ عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے قابلِ عمل تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ لوگوں کا ایک گروہ جان بوجھ کر فتنہ اندازی سے یہ بات کیوں پھیلانا چاہتا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کی بنیاد پر مدوّن نہیں کیا جائے گا۔''

(کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب، ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء)

نفاذِ اسلام کے لیے علمائے کرام کے بائیس نکات

پاکستان کے آئین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے ۱۲ تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ بمطابق ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کراچی میں مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں ہر طبقۂ فکر اور مسلک کے علمائے دین کا ایک چار روزہ طویل اجتماع ہوا۔ اِس اجتماع میں جو علماء شریک ہوئے اُن کے نام یہ ہیں:

مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد بدر عالم، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا خیر محمد، مولانا مفتی محمد حسن، پیر امین الحسنات، پیر مانکی شریف، مولانا محمد یوسف بنوری، خلیفہ حاجی ترنگ زئی، قاضی عبدالصمد سربازی، مولانا اطہر علی، مولانا محمد صالح، مولانا راغب احسن، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا داؤد غزنوی، مفتی جعفر حسین، مولانا کفایت حسین، مولانا محمد اسماعیل، مولانا حبیب اللہ، مولانا احمد علی، مولانا محمد صادق، پروفیسر عبدالخالق، مولانا شمس الدین فرید پوری، مفتی محمد صاحب داد، پیر محمد ہاشم مجدد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ظفر احمد انصاری۔

ان علماء نے دستورِ پاکستان کی اساس کے لیے بائیس اصول پیش کیے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

۱) اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے ربّ العالمین ہے۔

۲) ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا، اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا، نہ کوئی ایسا حکم دیا جا سکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

تشریحی نوٹ: اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنّت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معیّنہ مدّت کے اندر ممنوع یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیے جائیں گے۔

۳) مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

۴) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ کتاب و سنّت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلاء اور متعلقہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۵) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانانِ عالم کے رشتۂ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیتِ جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملّتِ اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶) مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور قیام کی کفیل ہوگی جو اکتسابِ رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگار ہوں، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷) باشندگانِ ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعتِ اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدودِ قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادیٔ مذہب و مسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہارِ رائے، آزادیٔ نقل و حرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارت سے استفادے کا حق۔

۸) مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹) مسلّمہ اسلامی فرقوں کو حدودِ قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ ان کے قاضی یہ فیصلے کریں گے۔

۱۰) غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدودِ قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱) غیر مسلم باشندگانِ مملکت سے حدودِ شریعت کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہیں، ان کی

پابندی لازمی ہوگی اور جن شہری حقوق کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگانِ ملک برابر کے شریک ہوں گے۔

۱۲) رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابتِ رائے پر جمہور یا ان کے مختلف نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳) رئیسِ مملکت ہی نظمِ مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا، البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

۱۴) رئیسِ مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی، یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگانِ جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے سکتا ہے۔

۱۵) رئیسِ مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶) جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہ کثرتِ آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷) رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸) ارکان و عمالِ حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایسا ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹) محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئتِ انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

۲۰) ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱) ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزائے انتظامی متصوّر ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی وحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی، جنہیں انتظامی اختیارات کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا، مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲) دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنّت کے خلاف ہو۔

❁❁❁

بیدار عزائم ہوتے ہیں، اَسرار نمایاں ہوتے ہیں

پروفیسر سلیم منصور خالد

یہ مضمون مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام منعقدہ دو روزہ محاضراتِ قرآنی (۱۹۔۲۰ مارچ) بعنوان ''ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی قرآنی، دینی اور ملّی خدمات'' کے دوسرے سیشن میں پڑھا گیا۔

کروڑوں، اربوں انسان اس دنیا میں آتے اور بس زندگی گزار کر چلے جاتے ہیں، مگر یہ سعادت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے کہ وہ کسی ٹھوس مقصد اور دوررس اثرات کے حامل تعمیری کام کے لیے اپنی زندگی بھر کی توانائیاں جھونک دیں۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ ایسے خوش نصیب لوگوں کی صف میں شامل تھے کہ جنھوں نے خدمتِ دین کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو زندگی کے آخری سانس تک کھپا دیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی زندگی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسکول کے زمانے یعنی کلاس ہشتم ہی سے قومی و اجتماعی سرگرمیوں میں حصّہ لے رہے تھے، تب وہ پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکن رہے اور پھر مقامی یونٹ کے سیکریٹری بنے۔ ہم سبھی عمر کے اس حصے سے گزرے ہیں، زندگی کا یہ دور کھیل کود، لاابالی پن، آوارہ خرامی اور شوق یا ڈنڈے کے خوف کے تحت پڑھنے کے دنوں پر مشتمل زمانہ ہوتا ہے۔ ایسا نونہال جو عمر کے اس حصے میں کسی اجتماعی قومی سرگرمی میں حصہ لے، وہ ایک قیمتی فرد ہوتا ہے، لیکن جو اس عمر میں ایسی خدمت کے لیے فعال بھی ہو اور ساتھ ہی ساتھ درسی و امتحانی نتائج میں بھی بہترین کارکردگی دکھائے، وہ نہایت قیمتی فرد ہوتا ہے۔ اسرار صاحب میٹرک اور انٹر میں امتیازی ریکارڈ کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے انٹرسائنس پاس کرنے کے بعد کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں ان کی تعلیم کا زمانہ دراصل وہ عہد ہے، جب وہ مقصدِ زندگی کی خوشبو کو اپنے جسم و روح میں اُتارنے میں کامیاب ہوئے۔ اگرچہ وہ قیام پاکستان سے قبل میٹرک ہی کے زمانے میں مولانا مودودیؒ کی تحریروں اور دعوتِ دین کے دائرۃ الفت میں آچکے تھے، مگر اس مجرد مطالعے کو

رُخِ عمل، میڈیکل کالج میں ملا۔

محترم ڈاکٹر صاحب کو میں نے پہلی بار نومبر ۱۹۷۲ء میں اُس وقت سنا جب وہ سول لائنز گوجرانوالہ میں ''فریضۂ اقامت دین'' کے موضوع پر خطاب کرنے تشریف لائے۔ اس قدر واضح، سلیس، دل میں اتر جانے اور عمل پر ابھارنے والے اسلوب نے بہت متاثر کیا۔

پھر اگست ۱۹۷۳ء میں ایک روز عصر کے بعد میں ان کی رہائش گاہ سمن آباد ملاقات کے لیے حاضر ہوا، اور مدعا بیان کیا کہ: ''جمعیت کا رکن ہوں، تاریخ جمعیت پر کام کرنے والی کمیٹی سے وابستہ ہوں، آپ براہِ کرم اپنے ریکارڈ میں سے کچھ چیزیں عنایت فرمائیں، شکرگزار ہوں گا''۔ ایک نظر میرے سراپے پر ڈالی، اور بیٹھنے کی ہدایت کر کے اندر گئے۔ چند منٹ بعد خود چائے لائے اور یہ فرما کر دوبارہ اندرونِ خانہ چلے گئے: ''نوش کیجیے، ابھی آتا ہوں''۔ جب آئے تو میرے لیے یہ بات سخت حیرت کا موجب بنی کہ گوجرانوالہ سے آنے والے سال سوم کے ایک عام دیہاتی طالب علم کی محض اتنی سی ذاتی گواہی پر انہوں نے کیسے اعتبار کر لیا۔ آتے ہی تین کاپیاں اور ایک رجسٹر کے چند اوراق میرے سامنے رکھ دیے۔

وضاحت کرتے ہوئے بتایا: ''یہ میرے دورِ طالب علمی کی وہ کاپیاں ہیں جن پر میں نے وہ بیان لکھا ہے، جسے تحریک کے بزرگوں شیخ سلطان احمد صاحب وغیرہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ یہ بیان جمعیت کے اس داخلی فکری نزاع سے متعلق ہے جس میں ایک طرف کراچی سے خرم جاہ مراد، پروفیسر خورشید احمد، ظفر اسحاق انصاری وغیرہ تھے اور دوسری طرف میں تھا''۔ میں نے کاپی کو کھولا تو انہوں نے کہا: ''اسے اطمینان سے لے جائیے، اور فوٹو کاپی کروا کے کل مجھے لازماً واپس کر دیجیے۔ یہ آج تک شائع نہیں ہوا، ویسے بھی اسے شائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، تاہم جمعیت کی تاریخ لکھنے اور مسائل کو سمجھنے میں آپ کو اس سے ضرور مدد ملے گی۔ ان اوراق پر میری ایک تقریر کی نقل ہے، جو جمعیت ہی کے زمانے کی یادگار ہے، اسے بھی لے جائیے۔''

واقعہ یہ ہے کہ ان کی اس عطا اور اندھے اعتماد پر تشکر کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں تھے۔ جو سوچا اس کو بیان کرنے کے لیے زبان نے ساتھ نہ دیا، بس: ''جزاک اللہ، ان شاء اللہ کل دے دوں گا، آپ اطمینان رکھیے، جب بھی اسے شائع ہونا ہے آپ ہی نے کرنا ہے، ہم آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے'' کہا اور آ گیا۔ وہ تحریر آج تک شائع نہیں ہوئی۔

بعد میں بھی چند ملاقاتیں ہوئیں، لیکن ذرا تفصیل سے مکالمہ اس وقت ہوا جب ۱۹۸۰ء

کے اوائل میں اسلامی جمعیت طلبہ کی تاریخ کو ریکارڈ کرنے کے لیے ''جب وہ ناظمِ اعلیٰ تھے'' کے موضوع پر انٹرویو کرنے ان کی رہائش گاہ ماڈل ٹاؤن حاضر ہوا۔ تب میرے ہمراہ پنجاب یونیورسٹی فارمیسی کے طالب علم افتخار احمد چودھری تھے۔ وہی افتخار احمد صاحب جنہیں مارچ ۲۰۱۰ء میں ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا آخری پبلک لیکچر دلانے کی سعادت حاصل ہوئی' اور وہ لیکچر فیصل آڈیٹوریم پنجاب یونیورسٹی میں ہوا' جس کے ڈیڑھ ماہ بعد وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

محولہ بالا انٹرویو میں انہوں نے ایک اصولی بات یہ بیان کی تھی کہ:

> ''یاد رکھیے کہ دین کے اصل تقاضے اور گہرے شعور کا معاملہ اس چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ اچھا ڈاکٹر' معروف ماہر اقتصادیات یا شہرت یافتہ انجینئر ہونے کے ساتھ ساتھ اسے اپنی صلاحیتوں کا بہترین حصہ تحریک (اسلامی) اور دعوتِ اسلامی کے لیے نکالنا چاہیے' باقی سب چیزیں ثانوی ہو جانی چاہئیں (ص ۹۸).....حقیقت یہ ہے کہ کچھ افراد کو تو اپنا تعلیمی کیریئر متاثر کر کے خدا کے دین کا کام کرنا ہی چاہیے۔'' (ص ۹۴)

ان دو اقتباسات میں ڈاکٹر صاحب زندگی گزارنے اور ربّ سے ملاقات کی راہوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وہ زندگی کو کوئی عام تجربہ نہیں بلکہ ایک سنجیدہ معاملہ سمجھتے ہیں اور اس مہلتِ عمر کو احساسِ ذمہ داری کے ساتھ برتنے پر اپنے مخاطب کو اُبھارتے ہیں۔ عام لوگوں کے لیے اسلامی جمعیت طلبہ پر تنقید کرنا بڑا آسان اور جمعیت میں رہ کر کام کرنا سخت مشکل ہے۔ اور یہ کوئی آج کا معاملہ نہیں ہے' پہلے بھی یہی صورتِ حال تھی۔ البتہ زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ چیلنج ضرور تبدیل ہوتے رہے ہیں۔

لاہور اور پنجاب میں جمعیت کے اس صدقہ جاریہ کو وسعت دینے کے لیے اوّلیت کا اعزاز ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو حاصل ہوا' جنہوں نے ناظم لاہور اور ناظم صوبہ پنجاب کی حیثیت سے بھرپور کام کیا اور جمعیت کو ایک سوشل کلب سے تبدیل کر کے اس علاقے میں اسلامی تحریک کا ہراول دستہ بنا دیا۔ اُسی زمانے کی ڈاکٹر صاحب کی دو مقبول تقریریں گزشتہ ۵۷ برسوں سے جمعیت کے دعوتی لٹریچر کا بنیادی حصہ ہیں' یعنی پہلی ''ہمارا پیغام'' اور دوسری ''ہم اور ہمارا کام'' (اگرچہ ان میں ضرورت کے مطابق کمی اور اضافہ بھی ہوا ہے)۔ اتنے اختصار اور خوبصورت پیرائے میں یہ دو پمفلٹ ہزاروں طالب علموں تک جمعیت کا پیغام پہنچانے کا ذریعہ بنے ہیں۔ اس وسیلے سے اس قافلے کا دست و بازو بننے والے لوگ بھی ان کا صدقہ جاریہ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی خدمات کے اعتراف اور بعض امور سے اختلاف پر اہلِ علم اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہیں گے' البتہ مجھے چند نکات سوچنے پر مجبور کرتے رہے۔

☆ پہلا یہ کہ جماعت سے علیحدگی کے دس بارہ سال بعد انہوں نے اپنے طریق کار کو جس طرح مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ' علامہ محمد اقبال' مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کے فکر و پیام کا مظہر قرار دینے اور طبقہ علماء کو قائل کرنے کی کوشش کی' امر واقعہ ہے کہ علماء کی دنیا نے ان کی مساعی کو اس خوش دلی سے قبول نہیں کیا جس کی ضرورت تھی' بلکہ ایک فاصلہ بھی رکھا۔ دراصل مذہبی مکاتب فکر کی دنیا اتنی سخت جان ہے کہ اپنے لیبل کے علاوہ دوسرے لیبل کو شک اور گاہے رقابت کی نظر سے دیکھتی اور گمراہ قرار دے کر اسے مسترد کرنے میں بہت فعال نظر آتی ہے۔ اس رویے کو عصبیت کہنا ذرا سخت لفظ ہوگا' مگر اس کے لیے دوسرا لفظ مل نہیں رہا۔

☆ دوسرا یہ کہ ۱۹۵۷ء سے وہ محترم مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی قیادت میں جماعت سے الگ ہوئے تھے' اور تادمِ آخر وہ ایک حد تک تو مولانا مودودی کی خدمتِ دین کا اعتراف' مگر بہت حد تک ان پر سخت تنقید کا معاملہ اختیار کیے رہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا مودودی یا ان کے حلقۂ اثر کی جانب سے جناب ڈاکٹر صاحب کو کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ اس کے برعکس ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء میں مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم و مغفور اپنے اس انقلابی ساتھی پر برہم ہوئے اور شدید لفظوں میں ایک سخت خط لکھا جو ان کے ایمان و اسلام پر بھی کھلا حملہ تھا۔ جسے اصلاحی صاحب کے درس میں شامل حضرات نے پھیلایا بھی۔ پھر نشست و برخاست میں جملوں اور تبصروں کا سلسلہ جاری رہا' مگر اصلاحی صاحب کے انتقال (۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء) تک پھیلے ۲۰ برسوں میں اور پھر بعد کے زمانے میں بھی ڈاکٹر صاحب نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا' سب کچھ چپ چاپ برداشت کر گئے۔ مراد یہ کہ جنہوں نے انہیں کچھ کہا نہیں انہیں ڈاکٹر صاحب نے چھوڑا نہیں اور جنہوں نے انہیں بہت کچھ کہا انہیں ڈاکٹر صاحب محترم نے کبھی چھیڑا نہیں۔

بہرحال مولانا مودودی (م ۱۹۷۹ء)' مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (رحمہم اللہ) ربّ کے حضور حاضر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے' ان کے صدقہ جاریہ میں وسعت لائے' ان کی لغزشوں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائے' اور ان کے اہلِ بیعت کو باہم مل جل کر چلنے اور آنے والے کل میں امّتی فرقہ وارانہ

عصبیت کے سامنے دیوار بننے اور اسلام پر حملوں کی مدافعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس مختصر تحریر کا عنوان جگر مرادآبادی مرحوم کی اس مشہور غزل سے اخذ کیا ہے‘ جس غزل کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مارشل لاء عدالت سے مولانا مودودی کی پھانسی کی سزا سن کر جمعیت کے ترجمان پندرہ روزہ رسالے ’’عزم‘‘ میں شائع کیا تھا‘ چند شعر ملاحظہ کیجیے:

یہ لالہ و گل یہ صحن و روش‘ ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں
تخریب جنوں کے پردے میں‘ تعمیر گلستاں ہوتے ہیں
بیدار عزائم ہوتے ہیں‘ اَسرار نمایاں ہوتے ہیں
جتنے وہ ستم فرماتے ہیں‘ سب عشق پہ احساں ہوتے ہیں
رندوں نے جو چھیڑا زاہد کو‘ ساقی نے کہا کس طنز سے آج
اوروں کی وہ عظمت کیا جانیں‘ کم ظرف جو انساں ہوتے ہیں
وہ عشق کی وسعت کیا جانیں‘ محدود ہے جن کی فکر و نظر
وہ درد کی عظمت کیا سمجھیں‘ بے درد جو انساں ہوتے ہیں
یہ خون جو ہے مظلوموں کا‘ ضائع تو نہ جائے گا لیکن
کتنے وہ مبارک قطرے ہیں‘ جو صرفِ بہاراں ہوتے ہیں

❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت‘ اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص: 40 روپے　　اشاعت عام: 15 روپے

تحفّظِ ناموسِ ’الٰہی‘

مدّثّر رشید

ایک دفعہ پھر پاکستانی قوم نے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ناموس کی حفاظت کے لیے اپنے جذبات کا اظہار کر کے اقوامِ عالم کو پریشانی میں ڈال دیا۔ اسلام دشمن قوتیں ایک بار پھر سوچنے پر مجبور ہوگئیں کہ یہ کیسا ملک ہے جس میں انہوں نے روشن خیالی کو پھیلانے کی سر توڑ کوشش کی‘ ہر روشن خیال دانشور اور سکالر کا بھرپور ساتھ دیا‘ پاکستانی تاریخ میں روشن خیالی کے سب سے بڑے حامی پرویز مشرف کو دس سال تک اس قوم پر مسلّط رکھا‘ جس نے ان نادیدہ قوتوں کے ایما پر حدود قوانین میں ترمیم کروائی‘ حقوقِ نسواں جیسے قوانین پاس کروائے‘ پورے ملک میں فحاشی وعریانی پھیلانے کا ہر ممکن حربہ استعمال کیا اور اس کے کچھ اثرات واضح بھی ہونے شروع ہوگئے۔ لیکن یہ کیسی قوم ہے کہ اس سب کے باوجود جب تحفّظ ناموس رسالت ﷺ کے قانون میں ترمیم کی بات ہوئی تو اچانک یہ قوم متحد ہوگئی اور تمام مذہبی اور سیاسی جماعتیں اس کی حفاظت کے لیے یکجا طور پر اس اقدام کے خلاف کھڑی ہوگئیں۔ اور پھر ملک ممتاز قادری‘ جو ان مغرب نواز‘ روشن خیال حکمرانوں کی حفاظت کرتا آیا تھا‘ اور کبھی اس نے ان کی حفاظت میں ذرا بھی غفلت نہیں دکھائی تھی‘ اس مسئلہ پر جذبات کے ہاتھوں اس قدر بے قابو ہوا کہ اس نے سابقہ گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر یہ بھی شاید ان نادیدہ قوتوں کو برداشت ہو جاتا‘ لیکن ان کی توقعات کے خلاف‘ جب ملک ممتاز قادری نے ایسا قدم اٹھایا تو وہ عوام الناس میں ہیرو قرار پایا اور ساری عوام اس کی تائید میں کھڑی ہوگئی‘ اس پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں اور اس کے تحفظ کے لیے اپنی جان تک قربان کر دینے کے نعرے لگائے جانے لگے۔

ان واقعات نے آج ان نادیدہ قوتوں کی راتوں کی نیندیں اڑا دی ہیں‘ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اگر پاکستان اسلامائیز ہوگیا تو یہ ایک ایسی عالمی ایٹمی قوت کے طور پر ابھرے گا

’’بحث ونظر‘‘ کے عنوان سے شائع ہونے والے مضامین کے مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں!

جس کی طرف کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا‘ اور اسلامی ممالک کے استحصال‘ جس میں آج یہود و نصاریٰ کسی رکاوٹ کے بغیر عمل پیرا ہیں‘ کا اختتام ہو جائے گا۔ گویا یہی مستقبل کا وہ اسلامی قلعہ ہے جو ان کے ناپاک عزائم میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ ہے جسے ہر صورت ختم کرنا ان کا حتمی ہدف ہے۔

یہاں مقصود اس امر پر بحث کرنا نہیں کہ ممتاز قادری کا سابقہ گورنر کو ہلاک کرنا درست تھا یا نہیں‘ اور یہ کہ سابق گورنر صاحب واقعی توہین رسالت کے مرتکب ہو کر واجب القتل قرار دیے جانے کے مستحق ہوگئے تھے یا نہیں؟ یہ ملک کے جیّد علماء کی ذمہ داری ہے کہ اس اہم مسئلہ پر قوم کی راہنمائی کریں۔ اگر تو مقتول کا مرتد ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو اسلامی فقہ حنفی میں موجودہ صورت حال میں کچھ رہنمائی موجود ہے۔ ذیل میں احناف کے کچھ اقوال بلا تبصرہ پیش خدمت ہیں جن کی رو سے اگر کوئی شخص امام یا حکومت کی مرضی کے بغیر کسی مرتد کو قتل کر دے تو اس پر نہ قصاص ہوگا نہ ہی تعزیر‘ بلکہ حکمران کی طرف سے اسے صرف تادیب سکھائی جائے گی:(۱)

> ’’فتاویٰ عالمگیر میں مرتدین کے احکام ذکر کرتے ہوئے کہا گیا: ’اگر مرتد پر اسلام پیش کرنے سے پہلے کوئی قاتل اسے قتل کر دے یا اس کے کسی عضو کو کاٹ دے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے (بحوالہ فتح القدیر) اور اس پر ضمان واجب نہ ہوگا۔ لیکن اگر امام کی اجازت کے بغیر ایسا کیا تو اسے تادیب کی جائے گی (کہ حکومت کے اختیارات ہاتھ میں کیوں لیے!)۔‘‘
>
> اسی طرح ’’فتح القدیر‘‘ شرح ہدایہ میں علامہ ابن الہمام نے فرمایا:
>
> ’’ہدایہ میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر مرتد پر اسلام پیش کرنے سے پہلے کوئی قاتل اسے قتل کر دے تو مکروہ ہے لیکن قاتل پر کچھ ضمان واجب نہ ہوگا‘ اس میں مکروہ سے مراد ترکِ مستحب ہے اور ضمان کا واجب نہ ہونا اس لیے ہے کہ مرتد کے کفر نے اس کے قتل کو جائز کر دیا تھا اور دعوتِ اسلام پہلے پہنچ چکنے کے بعد دوبارہ پہنچانا واجب نہیں ہے۔ اور اس لیے بھی کہ کفرِ مرتد اسے مباحُ الدم بنا دیتا ہے اور مرتد کے خلاف ہر جرم بلا ضمان ہے۔ اور متن میں مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے۔ ہاں جو لوگ دوبارہ عرضِ اسلام کے وجوب کے قائل ہیں‘ ان کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوگا۔ شرح طحاوی میں مذکور ہے کہ اگر کوئی مرتد کو (بلا اذنِ امام) قتل کر دے یا اس کا عضو قطع کر دے تو امام کی طرف سے اسے تادیب سکھائی جائے گی۔‘‘

بہر حال اس مسئلہ کی وضاحت علماء ہی کی ذمہ داری ہے‘ لیکن اس ضمن میں یہ بات تو روزِ

روشن کی طرح واضح ہے کہ ناموسِ رسالت ﷺ کے بارے میں قوم کے بچے بچے کا شعور بیدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم کا کوئی بھی شخص چاہے اتنا باعمل مسلمان نہ بھی ہو‘ تو بھی اس کے نزدیک یہ ایسا معاملہ ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا اور توہینِ رسالت کے مرتکب کسی بھی شخص کی سزا موت کے سوا اور کچھ نہیں۔ پھر اس پر بھی قوم متفق ہے کہ ایسا کرنے والے کسی بھی ملعون یا ملعونہ کو اگر حکومتی سطح پر یہ سزا نہیں ملتی تو پھر اس کو ٹھکانے لگانے والا اسلام اور پاکستان کا ہیرو ہے۔

لیکن ایک بات جو لمحہ فکریہ ہے وہ یہ ہے کہ اسی قوم کا شعور ناموسِ رسالت کے علاوہ‘ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی ناموس کے ضمن میں بالکل بھی بیدار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں حدود قوانین میں ترمیم کے موقع پر قابل قدر ردّعمل دیکھنے کو نہیں ملا۔ یہاں تک کہ ایم ایم اے‘ جس کے پاس اُس وقت سرحد کی حکومت تھی‘ نے اس ضمن میں مرکز کے خلاف کوئی قابل قدر اقدامات نہیں کیے۔ اسی طرح جب سوات میں طالبان کے ہاتھوں کسی نامعلوم لڑکی کو کوڑے مارے جانے کی وڈیو سامنے آئی تو میڈیا پر سرِعام زنا کی شرعی سزا کی نہ صرف توہین کی گئی‘ بلکہ اس کا استہزا بھی اڑایا گیا۔ ٹی وی چینلز پر میڈیا اینکرز اس سزا کو وحشیانہ سزا کہتے رہے۔ طالبان کے سزا دینے کے طریقہ پر اگر اعتراض ہوتا تو کوئی بڑی بات نہیں تھی‘ لیکن اصل ہدفِ تنقید تو خود اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد تھی۔ کسی نے سوچا بھی کہ یہ کس کی عائد کردہ سزا ہے؟ اس سزا کو وحشیانہ کہنے والوں نے یہ نہیں سوچا کہ اس توہین کی زد اس کو مقرر کرنے والی ہستی پر پڑ رہی ہے‘ وہ ہستی جو ستّر ماؤں سے زیادہ پیار کرتی ہے۔ یہ نام نہاد روشن خیال کیا اس سے زیادہ رحمت والے ہو گئے تھے کہ انہوں نے یہ بیہودہ الزام لگایا؟ لیکن اس کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ نہ تو کسی ممتاز عالمِ دین کی طرف سے کوئی فتویٰ ان نام نہاد روشن خیالوں اور میڈیا اینکرز کے خلاف شائع ہوا اور نہ ہی کوئی بڑے پیمانے پر ردّعمل سامنے آیا۔ اسی طرح کچھ عرصے پہلے ملک کی ایک بڑی سیاسی پارٹی کی سربراہ نے اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ سزائیں قرار دیا تھا۔ اُس وقت بھی کوئی خاص ردّعمل سامنے نہیں آیا تھا۔ اسی طرح ایک اور بڑی لسانی سیاسی جماعت کے سربراہ نے کچھ ہی عرصہ پہلے قادیانیوں کا علیٰ رؤوس الاشہاد ساتھ دینا شروع کر دیا تھا‘ یہاں تک کہ ان کے حق میں قادیانی قیادت کی طرف سے ان کے اس اقدام کا خیر مقدم بھی کیا گیا تھا‘ لیکن اس کے باوجود ان صاحب کے خلاف کوئی بڑے پیمانے پر ردّعمل سامنے نہ آیا۔ ناموسِ رسالت کے بارے میں تو قوم کا شعور اس قدر بیدار ہونا جبکہ ناموسِ دین کے بارے

میں یکسر بے حس ہونا‘ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ ذیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی احکامات اور یہاں تک کہ اسلامی شعائر یعنی داڑھی پردہ وغیرہ تک کا انکار کرنا اور ان کا استہزا کرنا قرآن و سنّت اور ائمہ سلف کے اقوال کی روشنی میں کیا حکم رکھتا ہے۔

اس ضمن میں قرآن کا جو مقام نص کی حیثیت رکھتا ہے وہ سورۃ التوبہ کی یہ آیات ہیں:

﴿يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝۶۴ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶۵ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۶۶﴾

’’منافقوں کو ہر وقت اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت نہ اترے جو ان کے دل کی بات انہیں بتلا دے۔ کہہ دیجیے کہ تم مذاق اڑاتے رہو‘ یقیناً اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر اور دبک رہے ہو۔ اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کہہ دیجیے کہ کیا اللہ‘ اس کی آیات اور اس کا رسول (ﷺ) ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ‘ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے ہو۔ اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی کر لیں تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے۔‘‘

یہ آیات ان منافقوں کے لیے نازل ہوئیں جو اپنی محافل میں اسلام‘ رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ خاص طور پر غزوۂ تبوک میں‘ جو سورۃ التوبۃ کا پس منظر ہے‘ تو منافقین کا نفاق بالکل واضح ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی واقعات ہیں جو کتب تفاسیر میں درج ہیں۔ مثلاً تفہیم القرآن میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ کچھ منافقین کسی محفل میں گپ لڑا رہے تھے۔ ایک نے کہا‘ اجی کیا رومیوں کو بھی تم نے کچھ عربوں کی طرح سمجھ رکھا ہے؟ کل دیکھ لینا کہ یہ جو سور ما لڑنے تشریف لائے ہیں‘ رسّیوں میں بندھے ہوں گے‘۔ دوسرا بولا ’مزا ہو جب اوپر سے سو سو کوڑے مارنے کا بھی حکم ہو جائے‘۔ اسی طرح ایک اور منافق نے حضور ﷺ کو جنگ کی تیاریوں میں سرگرم دیکھ کر اپنے دوستوں سے کہا‘ آپ کو دیکھئے آپ روم اور شام کے قلعے فتح کرنے چلے ہیں‘۔ اسی طرح ان آیات کے پس منظر میں ابن جریر نے

جیّد اسناد یعنی ہشام بن سعد' پھر زید بن اسلم پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک واقعہ نقل کیا ہے' وہ فرماتے ہیں:

''غزوۂ تبوک کے دوران ایک شخص نے ایک محفل میں یہ کہا' ہم نے ان قرآن پڑھنے والوں سے زیادہ پیٹ پوجا کرنے والے' زیادہ جھوٹ بولنے والے اور جنگ میں زیادہ بزدلی دکھانے والے نہیں دیکھے' ایک اور شخص (صحابی) جو وہاں موجود تھے' نے اس کے جواب میں کہا' تم جھوٹے ہو' منافق ہو' میں ضرور حضور ﷺ سے اس کا ذکر کروں گا'۔ انہوں نے اس کا ذکر حضور ﷺ سے کیا تو قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: 'میں نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے اونٹ کی زین پکڑے ہوئے پتھروں پر گھسٹ رہا تھا' اور کہہ رہا تھا' یا رسول اللہ ﷺ ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے'۔ لیکن حضور ﷺ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے' کیا اللہ' اس کی آیات اور اس کا رسول ﷺ ہی رہ گئے ہیں مذاق اڑانے کے لیے' تم بہانے نہ بناؤ' یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے ہو۔''

ان آیات اور ابن جریر کی اس تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ صالح الفوزان جو سعودی عرب کے ایک بزرگ عالم دین اور سابقہ قاضی ہیں' نواقض الاسلام کی شرح میں لکھتے ہیں:(۲)

''اس آیت پر غور کریں' یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے ہو۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس سے پہلے کہ انہوں نے یہ الفاظ کہے وہ مسلمان تھے' اور جب انہوں نے یہ الفاظ کہے وہ اسلام سے خارج ہو گئے' اس کے باوجود کہ انہوں نے ایسا مذاق میں کہا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دینی معاملات کو کھیل تماشا نہیں بنایا جا سکتا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر قرار دیا اس کے بعد کہ وہ مسلمان تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ' اس کے رسول ﷺ' اس کی کتاب اور قرآن میں سے کسی بھی آیت یا سُنّتِ رسول ﷺ میں سے کسی ایک کا بھی مذاق اڑاتا ہے اسلام سے خارج ہو جاتا ہے' چاہے اس نے ایسا مذاق ہی میں کہا ہو (معاذ اللہ)۔ وہ کدھر ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوتا جو دل سے ایسے الفاظ نہ کہے؟ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی اللہ' اس کے رسول ﷺ' اس کی کتاب اور قرآن میں سے کسی بھی آیت یا سُنّتِ رسول ﷺ میں سے کسی ایک کا بھی مذاق اڑاتا ہے تو ہم محض اس کے کہنے یا اس کے فعل سے کفر کا اطلاق نہیں کرتے۔ انہوں نے یہ کہاں سے اخذ کر لیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کا فیصلہ فرما دیا ہے جبکہ وہ ایسا کہتے رہے: 'ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے'۔ وہ اللہ اور

اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے تھے' یعنی وہ اصحابُ التوحید تھے' لیکن جب انہوں نے یہ الفاظ کہے تو اللہ نے فرمایا: 'یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے ہو' اور اللہ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ 'اگر تم نے واقعی دل سے کہا ہوتا' (معاذ اللہ!)

اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم چیزوں کو ان کی اصل جگہ پر رکھیں اور یہ کہ ہم اپنے پاس سے کوئی اضافہ نہ کریں' نہ کوئی تکسیر کریں' اور نہ ہی اپنے پاس سے کچھ تاویل کریں' اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادے کے بارے میں نہیں پوچھا اور نہ ہی یہ بتایا ہے کہ ان کا ارادہ کیا تھا' بلکہ اللہ نے ان کے کفر کا فیصلہ ان کے ایمان لانے کے بعد یوں فرما دیا: 'یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے ہو'۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ ان کے قول پر سنایا ہے' ان کے استہزا پر سنایا ہے۔ اگر کوئی بھی شخص کفریہ الفاظ کہتا ہے اس پر مجبور کیے گئے بغیر' تو اس پر تکفیر کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ہاں اگر اسے مجبور کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں اس پر تکفیر نہ ہو گی۔''

اس ضمن میں چند مشہور ائمہ سلف کے اقوال درج ذیل ہیں:(۳)

''قاضی عیاضؒ نے شرف الشفاء میں لکھا ہے: 'جان لو کہ جو کوئی بھی قرآن' اس کے مصحف یا اس کے کسی بھی حصے کی تحقیر کرتا ہے یا کسی حصے کی بھی توہین کرتا ہے' یا اس کا انکار کرتا ہے' یا کسی بھی حرف یا آیت کا انکار کرتا ہے' یا اس پر یا اس میں کسی بھی حصّے پر یا کسی ایسی بات پر جو واضح طور پر بیان ہوئی ہو ایمان نہیں رکھتا ہے' چاہے وہ کوئی حکم ہو یا کوئی قصّہ' یا پھر یہ کہ وہ دانستاً کسی بھی چیز کا اقرار کرتا ہے جس کا اس میں انکار کیا گیا ہو' یا کسی بھی چیز کا انکار کرتا ہو جس کا اس میں اقرار موجود ہو' یا یہ کہ اس میں کسی پر شک رکھتا ہو' تو پھر وہ علماء کے اجماع کی بنیاد پر کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾﴾

(حٰمٓ السجدة)

''جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پہنچ جانے کے بعد اس سے کفر کیا (وہ بھی ہم سے پوشیدہ نہیں)' یہ بڑی باوقعت کتاب ہے' جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے' یہ نازل کردہ ہے حکمتوں والے' خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے۔''

اسی طرح شیخ العلامہ ابوبکر الحسینی الحسنی الشافعیؒ اپنی کتاب ''کفایت الاخیار'' میں لکھتے ہیں:

''کفرِ عملی بعض اوقات ایسی شکلیں بھی اختیار کر جاتا ہے جیسے کہ بُتوں' چاند یا سورج کے سامنے سجدہ کرنا' مصحفِ قرآنی کو غلاظت میں پھینکنا' جادو ٹونہ کرنا جس میں سورج کی پوجا بھی شامل ہوتی ہے' بتوں پر قربانیاں پیش کرنا' اللہ کی کسی صفت' کسی حکم یا کسی وعید کا استہزا اڑانا' اور قرآن کو دف کی تھاپ پر پڑھنا۔''

اسی طرح ایک بڑے عالم ابن فرہون المالکیؒ اپنی کتاب ''تبصراتُ الحکام'' میں لکھتے ہیں:

''جو کوئی بھی قرآن یا اس کے کسی حصّے کی تحقیر کرتا ہے' یا اس کا یا اس کے ایک لفظ کا ہی انکار کرتا ہے' یا کسی ایک حصہ پر ایمان نہیں رکھتا' اور جانتے بوجھتے اس کا اقرار کرتا ہے جس کا اس میں انکار ہو' یا کسی چیز کا انکار کرتا ہے جس کا اس میں اقرار ہو' یا اس کے کسی حصے پر شک کرتا ہے' تو وہ علماء کے اجماع کی بنیاد پر کافر ہے۔''

اگر کوئی ایسے اشخاص کے کفر اور اللہ کے کلام اور اس کی کتاب کی تحقیر کی تائید کرتا ہے' تو وہ بھی انہیں کی طرح کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ﴾ (النساء)

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ جب تم کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو' جب تک کہ وہ اس کے سوا اور باتیں نہ کرنے لگیں' ورنہ تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔''

اس سے یہ ثابت ہوا کہ دین کی کسی بھی بات کا جو قرآن وسنّت سے ثابت ہو' انکار اور استہزا کرنا' اس پر ایمان نہ رکھنا' اس میں شک کرنا' سب صورتیں کفر کی ہی صورتیں ہیں۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانویؒ داڑھی کے مسئلہ پر اپنی کتاب ''اصلاحُ الرّسوم'' میں بیان کرتے ہیں:

''جب اس کا (داڑھی منڈانے کا) گناہ ثابت ہو گیا ہے تو جو لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور داڑھی بڑھانے کو عیب جانتے ہیں اور اس کی برائی کرتے ہیں' سب مجموعہ امور سے ایمان کا سالم رہنا از بس دشوار ہے' ان لوگوں پر

واجب ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کریں اور ایمان اور نکاح کی تجدید کریں اور اپنی صورت موافق حکم اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کے بنائیں۔''

اس مختصر سی بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح توہینِ رسالت ﷺ اور توہین مصحفِ قرآنی سنگین جرائم ہیں' اسی طرح دین میں نصوص سے ثابت ہر ایک حکم کی توہین بھی اتنا ہی زیادہ سنگین جرم ہے۔ اس کی ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے کہ جس طرح اس قوم کا شعور ناموسِ رسالت ﷺ اور ناموسِ مصحفِ قرآنی کے ضمن میں بیدار ہے' اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت کے احکام کے متعلق بھی بیدار ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو کسی مائی کے لال کو یہ ہمت نہیں ہوگی کہ اس سلامی مملکت کی اسلامی اقدار پر حملہ کر سکے۔ اور یہی غیرتِ دینی ایک اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی' جس کے نتیجے میں پاکستان اقوامِ عالم میں اس دور کی پہلی خود مختار اسلامی ریاست' حصنِ اسلام' محافظِ اسلام اور وارثِ خلافت بن سکے گا' لیکن اس کے لیے سب سے پہلے قوم کو یہ باور کروانا پڑے گا کہ اللہ کی شریعت کی توہین دراصل اللہ کی توہین ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کی رو سے رسول ﷺ کی توہین بھی اللہ اور اس کی آیات کی توہین قرار دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝﴾ (الانعام)

''ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں۔ سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔''

یہی وجہ ہے کے مذکورہ بالا آیت' جو توہینِ رسالت کے لیے نص کی حیثیت رکھتی ہے' میں سب سے پہلے اللہ' پھر آیاتِ الٰہی اور پھر رسول ﷺ کا ذکر ہے۔ اِس وقت ملک وقوم میں تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کے ضمن میں کراچی میں ایک عظیم ریلی کے لیے ملک کی تمام مذہبی جماعتیں اپنے باہمی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہیں۔ قائدین کی ایمان افروز تقریروں اور تکبیر کے فلک شگاف نعروں سے ایک روح پرور منظر ٹیلی ویژن سکرین کے ذریعے پوری دنیا میں نشر ہو رہا ہے' جس سے ایک طرف تو عاشقانِ رسول ﷺ خوش اور مطمئن ہیں تو دوسری طرف اعدائے الٰہی' احکاماتِ الٰہی و رسالت اور ان کے نام نہاد حامی پریشان اور محوِ حیرت ہیں۔ کاش کہ ایک تحریک تحفظِ ناموسِ 'الٰہی' بھی شروع ہو جو اس ملک کے

بچے بچے کے دل میں ناموس رسالت کے ساتھ ساتھ اسلامی شریعت' اسلامی قوانین' اسلامی احکام' اسلامی اقدار کی عزّت اور ناموس بٹھادے' تاکہ اگر کوئی بھی نام نہاد 'روشن خیال' یا 'لبرل' اپنے مغربی آقاؤں کے ایما پر ان کے خلاف ہرزہ سرائی کی کوشش کرے' تو اگر حکومت اس کو ٹھکانے نہیں لگاتی تو اس ملک کا کوئی بھی غیور ایسا کر کے' ان کا منہ بند کر سکے۔

حوالہ جات

(۱) مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی' توہین رسالت ﷺ اور اس کی سزا' ادارہ اسلامیات' لاہور' پاکستان۔

(۲) شیخ صالح الفوزان' شرح نواقض الاسلام (تصنیف از شیخ محمد ابن عبدالوہاب)۔

(۳) (www.islamqa.com) فتویٰ نمبر "12930"

دماغ آفروز

قوتِ حافظہ اور دماغ کے لیے زبردست اکسیر

دماغ آفروز ایسے اصحاب کے لیے جو دماغی محنت کرتے ہوں بہترین نعمت ہے۔

دماغ آفروز دماغ کی خشکی، سر چکرانا، ذہنی ہیجان اور بے خوابی دور کرنے کی جادو اثر دوا ہے۔

دماغ آفروز دماغ کی تمام قوتیں بحال کرتا ہے۔

دماغ آفروز بھوک کو چمکا کر قوت ہاضمہ کو درست کر کے غذا کو جزو بدن بناتا ہے۔

دماغ آفروز زندگی کے لیے کیمیا ہے، صحت کے لیے اکسیر ہے اور دماغ کے لیے نعمت ہے۔

- اگر آپ کی قوت حافظہ اور ذہن اچھی طرح کام نہیں کرتا تو بہترین شے جو آپ استعمال کر سکتے ہیں وہ ..... دماغ افروز ہے۔
- اگر آپ عینک اتارنے کے خواہشمند ہیں تو یہی کورس 2 ماہ کیجیے!
- پڑھنے والے بچوں بالخصوص حفظ کرنے والے بچوں کے لیے خاص تحفہ!

حکیم حافظ سید محمد احمد۔ لاہور

0332-8477326
042-38477326

عِفّت و پاکدامنی

قرآن وحدیث کے تناظر میں

عتیق الرحمٰن صدیقی

وہ اخلاقی محاسن وخصائص جو ایک بندۂ مؤمن کا طغرائے امتیاز ہیں اور اس کے حسن و کمال کو اکملیت وافضلیت سے منزّہ کر کے رفعتِ کردار کی نورانیت سے بہرہ مند کرتے ہیں' ان اوصافِ جمیلہ میں عفت و پاکدامنی کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ قرآن حکیم میں اہلِ ایمان کے اوصاف بار بار گنوائے گئے اور عفت و پاکبازی کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا۔

اہلِ ایمان کا ایک اہم وصف

سورۃ المؤمنون میں فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

''اور (کامیاب اہلِ ایمان وہ ہیں) جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملکِ یمین میں ہیں' لہٰذا (ان کے معاملے میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔''

یہاں فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہونے والے مؤمنین کی صفات بیان ہو رہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے قابلِ شرم حصوں کو چھپا کر رکھتے ہیں اور عریانی سے مجتنب رہتے ہیں' اپنے ستر کو دوسروں سے مستور رکھتے ہیں' اپنی عصمت وعفّت کا پورا تحفّظ کرتے ہیں اور قوتِ شہوانی کے استعمال میں حدود اللہ سے تجاوز نہیں کرتے۔ سورۃ المعارج میں بھی عفّت و

پاکبازی کو مؤمن کی ایک اہم صفت قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝٢٩﴾ (المعارج) ''اور جو اپنی شہوت کی جگہ کی حفاظت کرتے ہیں''۔ جو مسلمان عفیف و پاکدامن ہوں ان سے اللہ نے نہ صرف بخشش کا وعدہ فرمایا' بلکہ انہیں بے حساب اجر سے نوازے جانے کا اعلان کیا' فرمایا: ﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝٣٥﴾ (الاحزاب) ''(بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں) ..... اور جو مرد اور عورتیں اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں' اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے جس پاکدامنی کا ثبوت دیا اس کی شہادت خود عزیز مصر کی بیوی نے دی: ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ﴾ (یوسف:۳۲) ''اور میں نے اس سے اس کا نفس لینا چاہا مگر وہ بچا رہا۔''

ایک اہم قرآنی اصطلاح

''حفظِ فرج'' قرآن کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ 'حفظ' کے معنی نگہداشت اور پاسبانی کرنے کے ہیں اور 'فرج' کے معنی ہیں: دو چیزوں کے درمیان شگاف یا دو ٹانگوں کے درمیان کشادگی' اور کنایہ کے طور پر فرج کا لفظ شرم گاہ پر بولا جاتا ہے اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے اسے حقیقی معنی سمجھا جاتا ہے: ﴿وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ (الانبیاء:۹۱) ''اور وہ (یعنی مریم کو بھی یاد کرو) جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا''۔ ﴿وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ (النور:۳۱) ''اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں''۔ قلعہ کی فصیل میں پڑ جانے والے شگاف کو بھی 'فرج' کہا جاتا ہے جہاں سے دشمن کی دراندازی کا امکان ہوتا ہے۔ چنانچہ استعارہ کے طور پر سرحد اور ہر خطرہ کی جگہ کو 'فرج' کہا جاتا ہے۔

عفت و پاکبازی کے لیے قرآن کا دوسرا لفظ **احصان** ہے جو **حِصن** سے بنا ہے' جس کے معنی قلعہ یا محفوظ مقام کے ہیں۔ اس طرح ''احصان'' کے معنی حفاظت میں لینے یا حفاظت میں رکھنے کے ہیں: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ (التحریم:۱۲) ''اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا''۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا گیا: ﴿وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝٣٩﴾ (آل عمران) ''اور سردار ہوگا' اور اپنی قوتِ شہوانی پر ضبط رکھتا ہوگا اور نبی ہوگا نیکوکاروں میں سے۔''

عفّت و پاکدامنی کا متضاد لفظ

قرآن حکیم میں عفت و پاکدامنی کا متضاد لفظ ''فاحشہ'' ہے جس کے معنی بڑی برائی کے ہیں۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ﴿اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ﴾ (النساء:۱۹) ''مگر یہ کہ وہ عورتیں کھلی برائی کریں''۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴿۳۲﴾﴾ ''اور تم زنا کے قریب بھی مت جاؤ' بے شک یہ کھلی برائی اور برا راستہ ہے''۔ زنا ایک بڑی برائی ہے جس سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں نہ صرف اس برائی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے بلکہ اس سے قریب ہو کر گزرنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔ بدکاری سے اپنے آپ کو بچانا اور محفوظ رکھنا شرافت ہے۔ اسی طرح اس کے مقدّمات کے قریب جانے سے احتراز کرنا بھی شرافت کا اقتضا ہے۔ کسی غیر محرم کی طرف نگاہ بد اٹھا کر دیکھنا' تنہائی میں اس سے ملنا' بات چیت سے لطف اٹھانے کی سعی کرنا' یہ سب زنا اور بدکاری کے مقدمات ہیں' اس لیے ان کے قریب نہ پھٹکنے کی ہدایت کی گئی ہے' وہ ابتدائی محرکات جو اس راستے کی طرف لے جاتے ہیں ان سے دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ محولہ بالا حکم کے مخاطب افراد بھی ہیں اور معاشرہ بھی۔ معاشرہ کا فرض بنتا ہے کہ وہ اجتماعی زندگی میں زنا' محرکاتِ زنا اور اسبابِ زنا کا سدباب کرے' صاف اور پاکیزہ ماحول تشکیل دے اور تعلیم و تربیت سے ان غلاظتوں کا سدباب کرے' اس لیے کہ مؤثر تدابیر اختیار کیے بغیر اور قانون کو حرکت میں لائے بغیر معاشرتی بگاڑ کا ازالہ ممکن نہیں۔

بدکاری کے مقدمات

اسلام نے بے حیائی' فحاشی اور بدکاری کے قریب لے جانے والے عوامل کو ناجائز قرار دیا ہے' کیونکہ ناجائز روابط و تعلقات میں یہ مدد اور معاون ثابت ہوتے ہیں ؎

چوں آید بوئے گل خواہد کہ بیند
چوں بیند روئے گل خواہد کہ چیند

یعنی اگر ان رخنوں کو رفو نہ کیا جائے تو بات دھیرے دھیرے آگے بڑھتی ہے۔ پھول کی خوشبو اسے دیکھنے کی تمنا پیدا کرتی ہے اور پھول دیکھنے پر طبیعت اسے شاخ سے توڑ کر زیب گلو کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے اسلام نے ان مقدمات پر قدغن عائد کر دی ہے جو اس بڑی برائی کے نشوونما اور ارتقا کا باعث بنتے ہیں' فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰی لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ (النور)

''(اے نبی ﷺ!) مؤمن مردوں سے کہو کہ وہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور (اے نبی ﷺ!) مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں' اور وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے: شوہر' باپ' شوہروں کے باپ' اپنے بیٹے' شوہروں کے بیٹے' بھائی' بھائیوں کے بیٹے' بہنوں کے بیٹے' اپنے میل جول کی عورتیں' اپنے مملوک' وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ اے مؤمنو' تم سب مل کر اللہ کے حضور توبہ کرو' توقع ہے کہ تم فلاح پا جاؤ گے۔''

غض کا مفہوم

صاحبِ 'تفہیم القرآن' لکھتے ہیں کہ:

''غض کے معنی ہیں کسی چیز کو کم کرنے' گھٹانے اور پست کرنے کے۔ غضِّ بصر کا ترجمہ عام طور پر نگاہ نیچی کرنا یا رکھنا کیا جاتا ہے' لیکن دراصل اس حکم کا مطلب ہر وقت نیچے ہی دیکھتے رہنا نہیں ہے' بلکہ پوری طرح نگاہ بھر کر نہ دیکھنا اور نگاہوں کو دیکھنے کے لیے

بالکل آزاد نہ چھوڑ دینا ہے۔ یہ مفہوم ''نظر بچانے'' سے ٹھیک ادا ہوتا ہے' یعنی جس چیز کو دیکھنا مناسب نہ ہو اس سے نظر ہٹالی جائے' قطع نظر اس سے کہ آدمی نگاہ نیچی کرے یا کسی اور طرف اسے بچالے جائے۔ (گویا) ایک دفعہ اچانک نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے' لیکن یہ معاف نہیں ہے کہ آدمی نے پہلی نظر میں جہاں کوئی کشش محسوس کی ہو وہاں پھر نظر دوڑائے۔ نبی ﷺ نے اس طرح کی دیدہ بازی کو آنکھ کی بدکاری سے تعبیر فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے' دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے' لگاوٹ کی بات چیت زبان کا زنا ہے' آواز سے لذّت لینا کانوں کا زنا ہے' ہاتھ لگانا اور ناجائز مقصد کے لیے چلنا ہاتھ پاؤں کا زنا ہے۔ بدکاری کی یہ ساری تمہیدیں جب پوری ہو چکتی ہیں تب شرمگاہیں یا تو اس کی تکمیل کر دیتی ہیں یا تکمیل کرنے سے رہ جاتی ہیں۔'' (۱)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((يَاعَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ))(۲)

''اے علی' ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا' پہلی نظر تو معاف ہے مگر دوسری معاف نہیں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((اَلنَّظْرُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَسْمُوْمٌ' مَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَخَافَتِيْ اَبْدَلْتُهُ اِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِيْ قَلْبِهِ)) (۳)

''نگاہ ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جو شخص مجھ سے ڈر کر اس کو چھوڑ دے گا میں اس کے بدلے اسے ایسا ایمان دوں گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پائے گا۔''

غضِ بصر سے مستثنیٰ صورتیں

حضور نبی کریم ﷺ نے غض بصر سے مستثنیٰ صورتوں کا تعین بھی فرما دیا ہے' انہیں پیش نظر

(۱) بخاری' مسلم' ابوداؤد بحوالہ تفہیم القرآن' جلد سوم۔

(۲) سنن الترمذی' کتاب الادب عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی نظرۃ المفاجاۃ۔ وسنن ابی داؤد' کتاب النکاح' باب ما یؤمر بہ من غض البصر۔ واللفظ لہ۔

(۳) الترغیب والترہیب للمنذری ۸۶/۳۔

رکھا جائے اور حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ غض بصر کے حکم کا مقصد یہ بھی ہے کہ آدمی کسی عورت یا مرد کے ستر پر نگاہ نہ ڈالے۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ))(۱)

''کوئی مرد کسی مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو دیکھے۔''

عورتوں کے لیے بھی غض بصر کے احکام وہی ہیں جو مردوں کے لیے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں ارادی طور پر مردوں کو نہ دیکھنا چاہیے' اگر نگاہ پڑ جائے تو ہٹا لینی چاہیے اور دوسری عورتوں کے ستر کو دیکھنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ ان کے لیے لازم ہے کہ وہ غیروں کو اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں' نہ زیوروں کی جھنکار کسی کو سنائیں۔ گھروں کے اندر سینے پر چادر رکھیں' اور باہر نکلیں تو سارے جسم پر پردہ ڈال کر چہرہ چھپا کر نکلیں۔ قرآن حکیم نے واضح کیا ہے کہ عورتیں اپنا بناؤ سنگھار کھول کر نہ دکھائیں' مگر جو طبعاً کھلا رہتا ہے' ہاتھوں کی مہندی یا انگلیوں کی انگوٹھی وغیرہ۔ اس کے علاوہ جو آپ سے آپ ظاہر ہو' جیسے وہ چادر جو اوپر سے اوڑھی جاتی ہے' کیونکہ اس کا چھپانا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ظاہر کرنے اور ظاہر ہونے میں بڑا فرق ہے۔ یہ ایک رخصت ہے' اس کو ظاہر کرنے کی حد تک وسیع کر دینا قرآنی فرامین کے منافی ہے۔ عہدِ نبوی میں حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد عورتیں کھلے منہ نہیں پھرتی تھیں۔ ستر اور حجاب کے فرق کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے' ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دوپٹہ کا رائج ہونا

صاحبِ 'تفہیم القرآن' لکھتے ہیں:

''زمانۂ جاہلیت میں عورتیں سروں پر ایک طرح کے کساوے باندھے رکھتی تھیں جن کی گرہ جوڑے کی طرح پیچھے چوٹی پر لگائی جاتی تھی' سامنے گریبان کا ایک حصّہ کھلا رہتا تھا جس سے گلا اور سینے کا بالائی حصہ صاف نمایاں ہوتا تھا' چھاتیوں پر قمیص کے سوا اور کوئی چیز نہ ہوتی تھی اور پیچھے دو دو تین تین چوٹیاں لہراتی رہتی تھیں۔ (تفسیرِ کشاف' جلد دوم' صفحہ ۹۰' ابن کثیر' جلد ۳' ص ۲۸۳۔۲۸۴) اس آیت کے نزول کے بعد مسلمان عورتوں میں دوپٹہ رائج کیا گیا جس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آج کل کی صاحبزادیوں کی طرح بس اسے بَل دے کر گلے کا ہار بنا لیا جائے بلکہ یہ تھا کہ اسے اوڑھ کر سر' کمر' سینہ سب اچھی

(۱) صحیح مسلم' کتاب الحیض' باب تحریم النظر الی العورات۔

طرح ڈھانک لیے جائیں۔ اہلِ ایمان خواتین نے قرآن کا یہ حکم سنتے ہی فوراً جس طرح اس کی تعمیل کی اس کی تعریف کرتے ہوئے حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ جب سورۂ نور نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے اس کو سن کر لوگ اپنے گھروں کی طرف پلٹے اور جا کر انہوں نے اپنی بیویوں' بیٹیوں' بہنوں کو اس کی آیات سنائیں۔ انصار کی عورتوں میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو آیت ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ کے الفاظ سن کر اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی ہو۔ ہر ایک اٹھی اور کسی نے اپنا کمر پٹہ کھول کر اور کسی نے چادر اٹھا کر فوراً اس کا دوپٹہ بنایا اور اوڑھ لیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز کے وقت جتنی عورتیں مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں سب دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں۔ اسی سلسلے کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ ؓ مزید تفصیل یہ بتاتی ہیں کہ عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے موٹے کپڑے چھانٹے اور ان کے دوپٹے بنائے۔'' (ابن کثیر' ج۳' ص ۲۸۴' ابوداوٗد' کتاب اللباس) (۱)

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے پاس آپ کی بھتیجی حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن آئیں' اس وقت انہوں نے ایک باریک اوڑھنی سر پر ڈالی ہوئی تھی۔ آپؓ کو یہ چیز سخت ناگوار گزری اور فرمایا: **انما یضرب بالکثیف الذی یستر** ''(اے بیٹی) ایسی اوڑھنی اوڑھنے کا حکم ہے جو موٹی ہو اور جس سے پردہ کا مقصد پورا ہو''۔ سینہ تان کر سر بازار چلنا' سینہ کے ابھار کو ارادتاً ظاہر کرنا حد درجہ معیوب ہے اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ حضرت اقبال فرماتے ہیں۔

بھل اے دخترک ایں دلبری ھا　　مسلماں را نہ زیبد کافری ھا
منہ دل بر جمالِ غازہ پرور　　بیاموز از نگہ غارتگری ھا

''اے بیٹی محبوبیت کے انداز چھوڑ دے اس لیے کہ ایک مسلمان کو یہ کافرانہ طرزِ عمل زیب نہیں دیتا۔ چہرے کے حسن پر دل نہ لبھاؤ بلکہ نگاہ سے تاخت و تاراج کرنا سیکھو۔''

حکیم الاُمت مسلمان خاتون کو وصیّت کرتے ہیں:

اگر پندے ز درویشے پذیری　　ہزار اُمت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر　　کہ در آغوش شبیرے بگیری

''اگر تو درویش کی نصیحت قبول کر لے تو ہزاروں اُمتیں فنا ہو سکتی ہیں لیکن تو ہمیشہ زندہ رہے گی۔ حضرت فاطمہ زہرا ؓ بتولِ جنت کا شیوہ اختیار کر اور زمانہ کی نگاہوں سے

(۱) تفہیم القرآن' جلد سوم۔

چھپ جا تا کہ تیری آغوش میں شبیر جیسا فرزند پرورش پا سکے۔''

ان آیات میں پہلے تو مؤمن عورتوں کو غیر ضروری زیبائش و آرائش اور اس کی نمائش سے روکا گیا ہے اور پھر ان رشتہ داروں کی تعیین کر دی گئی ہے جن سے آرائش کو چھپانے کی ضرورت نہیں۔

نامحرم سے گفتگو

مؤمن مَردوں اور عورتوں کو جو ہدایات دی گئی ہیں پیغمبر علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کو بھی یہی آداب سکھائے گئے ہیں' مگر عام عورتوں کے مقابلے میں ان کو زیادہ تاکید کی گئی ہے' اس لیے کہ ان کی حیثیت عام عورتوں کے لیے ایک نمونہ کی ہے۔ فرمایا:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۳۲ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ......﴾ (الاحزاب:۳۳)

''اے پیغمبر (ﷺ) کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو' اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو (نامحرم مرد سے) دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے' بلکہ صاف سیدھی بات کرو اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو......''

ان آیات میں کاشانۂ اقدس کی مکینوں سے فرمایا گیا کہ اگر کسی نامحرم سے بات کرنی پڑے تو باوقار انداز میں بات کرو تاکہ بیمار دل میں فاسد خیال پہنچنے نہ پائے۔ کسی کی دل شکنی اور دل آزاری بھی نہ ہو' مگر دبا ہوا انداز بھی نہیں ہونا چاہیے۔ آیۂ کریمہ میں فرمایا گیا کہ اُمہات المؤمنین گھروں میں سکون و وقار سے ٹھہری رہیں اور بلا ضرورت گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ یہ حکم اختصاص کے مفہوم میں نہیں' یعنی صرف ازواجِ مطہرات ؓ کے لیے نہیں' بلکہ تمام خواتین کے لیے ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ٹک کر بیٹھیں' اپنے حسن و جمال کو غیر مَردوں پر ظاہر نہ کریں' قدیم جاہلیت کی طرح ناز و ادا سے مٹکتی اور لچکتی ہوئی سرِ بازار ٹہلنے سے باز رہیں اور عصمت و عفت کی قدر و منزلت کا پاس کرتے ہوئے اس متاعِ گراں مایہ کو محفوظ رکھیں۔

عفت و پاکدامنی کے سلسلے میں سورۃ النور میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا

وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

’’اے لوگو! جو ایمان لائے ہو‘ اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور ان پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے‘ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔‘‘

سورۃ الاحزاب میں نبی کریم ﷺ کے گھروں میں داخل ہونے کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ......﴾ (آیت ۵۳)

’’اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم ﷺ کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو اجازت دی جائے کھانے کی دعوت کے لیے......‘‘

اسی طرح سورۃ الاحزاب میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ﴾ (آیت ۵۳)

’’جب تم مانگنے جاؤ ان (ازواجِ مطہرات) سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردہ کے اوٹ سے‘ اس میں تمہارے اور ان کے لیے دلوں کی بڑی ستھرائی ہے۔‘‘

ازواجِ مطہرات ؓ کے سلسلے کے احکامات کا اطلاق دوسری تمام عورتوں پر ہوتا ہے۔ حسنِ ادب کے اس نمونے کی پیروی سب کے لیے ضروری ہے۔

عصمت فروشی کا سدِباب

اسلام سے پہلے لونڈیوں سے عصمت فروشی کا کام لیا جاتا تھا‘ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول اپنی لونڈیوں کو اس قبیح پیشہ پر مجبور کرتا تھا‘ اس سے سختی سے منع کیا گیا اور اس بدترین پیشہ کا خاتمہ کر دیا گیا۔ عورتیں سینہ کی پوشش کا لحاظ نہیں کرتی تھیں‘ بناؤ سنگھار کر کے گھر سے باہر نکلتی تھیں‘ بدکار عورتیں گریبان کھلا رکھتی تھیں‘ شراب کی محفلوں میں ساقی گری کرتی تھیں‘ رذیل مقاصد کے لیے گھروں پر جھنڈیاں لگاتی تھیں‘ اسلام نے ان مراسمِ سیئہ کی اصلاح کی‘ عفت و پاکبازی کے خیالات کو رواج دیا اور بدکاری کی تمام تر تمہیدوں کا سدباب کرنے کے لیے تربیت کا اہتمام کیا اور اس کے لیے قانون سازی بھی کی۔ یوں اسلام کی معاشرتی فضا کو زہر آلود ہونے سے بچایا۔ اس کے ساتھ پیشہ ور عورتوں سے نکاح کرنے پر قدغن لگائی جب

تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں‘ اس لیے کہ کسی بدکار مرد کا کسی عفیفہ سے اور کسی پاکباز کا بدکار عورت سے نکاح شریعت میں پسندیدہ نہیں۔ عفت و عصمت کے تحفظ کے لیے صرف اخلاقی ہدایات پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ شرعی ثبوت کے بعد قانونی سزا بھی مقرر کی: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (النور:۲) ’’زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو‘‘۔ اور اگر کوئی شخص کسی عورت پر اس طرح کا الزام لگائے تو لازمی ہے کہ وہ اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش کرے‘ اگر پیش نہ کر سکے تو اس کو ایک شریف خاتون کو جھوٹا بدنام کرنے کے جرم میں اسّی کوڑے مارے جائیں اور یہ پابندی بھی عائد کر دی کہ اس کی گواہی آئندہ معتبر نہ ٹھہرے گی۔

زنا کی حرمت

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی نقل کرتے ہیں:

((لَا اَحَدٌ اَغْيَرَ مِنَ اللّٰهِ وَلِذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَلَا اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰهِ وَلِذٰلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ)) (۱)

’’اللہ سے زیادہ کوئی غیرت کھانے والا نہیں ہے‘ اس بنا پر اُس نے بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے چاہے وہ کھلی ہوں یا چھپی‘ اور اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کو اپنی تعریف سب سے زیادہ پسند ہو‘ اس بنا پر اُس نے اپنی تعریف کی ہے۔‘‘

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اِنْ مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرَ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ اَوْ تَزْنِيَ اَمَتُهُ)) (۲)

’’اے محمد (ﷺ) کی اُمت! اللہ سے زیادہ کوئی غیور نہیں ہے اس بات پر کہ اس کا بندہ یا لونڈی زنا کرے۔‘‘

وہ شخص جو علانیہ یا چوری چھپے بدکاری (زنا) کرتا ہے وہ ربّ ذوالجلال کی غیرت کو للکارتا ہے اور اپنے آپ کو اس سزا کا مستحق جانتا ہے جو اللہ نے ایسے بے ہودہ مجرم کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ بوڑھے زانی کے بارے میں نبی مکرم ﷺ کا فرمان ملاحظہ کیجیے:

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب تفسیر القرآن‘ باب قولہ عزوجل: قل انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن۔ وصحیح مسلم‘ کتاب التوبة‘ باب غیرة اللّٰہ تعالیٰ وتحریم الفواحش۔

(۲) صحیح البخاری‘ کتاب الجمعة‘ باب الصدقة فی الکسوف۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الکسوف‘ باب صلاة الکسوف واللفظ له۔

((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ : شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ))(۱)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے نہ بات کرے گا' نہ انہیں پاک کرے گا' نہ ان پر نگاہ ڈالے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے: (۱) بوڑھا زانی (۲) بہت جھوٹا حکمران (۳) تکبّر کرنے والا مفلس۔''

ایک اور حدیث ملاحظہ کیجیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں:

سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللّٰهِ اَكْبَرُ؟ قَالَ: ((اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ)) قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ : ((ثُمَّ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْیَةَ اَنْ یَطْعَمَ مَعَكَ)) قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ ((اَنْ تُزَانِیَ بِحَلِیْلَةِ جَارِكَ))(۲)

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''یہ کہ تو کسی کو اللہ کا مدّمقابل اور ہمسر بنائے حالانکہ تجھے اللہ نے پیدا کیا ہے''۔ میں نے عرض کیا پھر کون سا گناہ (بڑا ہے)؟ آپؐ نے فرمایا: ''تو اپنے بیٹے کو قتل کر دے اس اندیشہ سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا''۔ میں نے عرض کیا (اس کے بعد) کون سا گناہ (بڑا ہے)؟ آپؐ نے فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔''

کسی کو اللہ کا ہمسر بنانے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کو حاجت روا' مشکل کشا سمجھا جائے' کسی کی بندگی کی جائے اور کسی سے دعائیں مانگی جائیں۔ اس کے بعد بڑا گناہ یہ ہے کہ افلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کر دیا جائے۔ شرک اور قتل اولاد کے بعد سب سے بڑا گناہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے یہ ہے کہ کوئی اپنی پڑوسی کی بیوی کی عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالے۔ اسے نہایت گھناؤنا اور مکروہ جرم قرار دیا گیا ہے۔

مؤمن زنا نہیں کرتا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار والمن بالعطیة۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب تفسیر القرآن' باب قوله والذین لا یدعون مع اللّٰه ..... وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب کون الشرك ' اقبح الذنوب وبیان اعظمها بعده۔ واللفظ للبخاری۔

وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ))(۱)

''بدکار آدمی زنا کرتے وقت مؤمن نہیں ہوتا اور چور چوری کرتے وقت مؤمن نہیں ہوتا اور شرابی شراب پیتے وقت مؤمن نہیں ہوتا۔''

گویا کمال ایمان کی علامت یہ ہے کہ آدمی نہ زنا کرے' نہ چوری کرے اور نہ شراب پیئے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کوئی کام کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ایمان بہت کمزور اور ناقص ہے۔

پاکباز اور پاک دامن لوگوں کی فضیلت

قیامت کے دن اگر ایک طرف زانی مرد اور عورت بھڑکتی آگ میں جل رہے ہوں گے' آگ کے شعلوں کی بلندی میں آہ و بکا اور چیخ و پکار کر رہے ہوں گے تو دوسری طرف اس دن جب اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا خداوند تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے سایہ میں لے لے گا جن میں ایک شخص وہ ہوگا جس کو ایک معزّز اور حسین عورت نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔(۲)

خلاصہ کلام

عصمت و عفت کو محفوظ رکھنے کے لیے اسلام نے جو فکری ورثہ ہمیں عطا کیا اور جس تہذیب و ثقافت سے ہمیں شناسا کیا اس کے خدوخال ہم نے سطور بالا میں واضح کر دیے ہیں۔ اس کے باوجود مملکتِ پاکستان میں اگر مسلمان عورتیں قیمتی' بھڑکیلے اور حیا سوز لباس پہن کر بے پردہ مٹکتی اور اچھلتی رہیں' ننگے بازوؤں اور ننگے سروں اور برہنہ سینوں کے ساتھ بے پردہ گھومتی پھرتی رہیں اور ارادتاً آوارہ منش لوگوں کو دعوتِ نظارہ دیتی رہیں اور اس زعم میں مبتلا ہو کر نازاں و فرحاں ہوں کہ وہ دورِ جدید کی جدتوں کے تقاضوں کو پورا کر رہی ہیں' انہیں اپنے تقدس کا بھانڈا پھوڑنے پر خوشی ہو اور وہ مسرّت بداماں ہو کر کودتی اور پھدکتی رہیں' تو ایسی عورتوں کی عقلِ خام پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسی عریاں و آوارہ فکر کے حامی مرد جو اس

(۱) صحیح البخاری' کتاب المظالم والغضب' باب النهبی بغیر اذن صاحبه ومتعدد مقامات۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان نقصان بالمعاصی ونفیه عن المتلبس۔ واللفظ له۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الحدود بحواله سیرت النبیؐ' جلد ششم۔

لبرل ازم کی خو پر اتراتے ہوں اور ان کی غیرت وحمیت کا جذبہ کافور ہو گیا ہو' ایمان کا نور ان کے دلوں سے سِرے سے سلب ہو کر رہ گیا ہو' ان کے لیے بارگاہِ رب العزت میں دُعا ہی کی جاسکتی ہے کہ وہ انہیں صراطِ مستقیم پر گامزن کرے۔ اس کے ساتھ ہی حکمرانوں اور اشرافیہ کے بزرجمہروں کو اس تباہ کن روش کو ترک کرنے کے لیے دینی جماعتوں اور حرارتِ ایمانی سے سرشار لوگوں کو آگے بڑھ کر ان سے جہاد کرنا ہوگا۔ نظریہ پاکستان پر ایمان رکھنے والوں اور حضرت اقبال کی فکرِ حکیمانہ کے گن گانے والوں کا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ملحدانہ اور تہذیبِ فرنگ کے فدائیین کی دسیسہ کاریوں کا مؤثر انداز میں نوٹس لیں اور باطل نظریات کو نگوں سار کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ آئینۂ دل ہے مکدّر!
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر!
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر!
خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر ولیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسّر!

اخذ واستفادہ

☆ مفردات القرآن' امام راغب اصفہانی
☆ تفہیم القرآن' جلد دوم' سوم' چہارم
☆ سیرت النبیؐ' جلد ششم
☆ ضرب کلیم
☆ ضیاء القرآن' جلد سوم و چہارم
☆ ترجمان الحدیث' جلد دوم
☆ دعوت دین اور اس کے علمی تقاضے

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

دونوں لباس پہنیں

حافظ محمد مشتاق ربانی

انسان دو چیزوں کا مرکّب ہے‘ ایک جسم اور دوسری روح۔ ان دونوں کی ضروریات کا خیال رکھنا لازمی ہے اور ان میں سے کسی ایک کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہم جسم کی ضروریات کو تو بخوبی سمجھتے ہیں کہ اسے گرمی و سردی سے بچنے کے لیے موزوں کپڑے درکار ہیں‘ رہنے کے لیے اسے مکان کی اور زندہ رہنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہے۔ جسم کی ان ضرورتوں کو حاصل کرتے ہوئے ہم روح کی نشو و نما اور اس کی ضروریات کو بھول جاتے ہیں‘ حالانکہ روح کو بھی صحت مند اور توانا رکھنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم ان دونوں کی ضروریات پوری کرنے کی تاکید کرتا ہے۔

یوں تو جسم کی بے شمار ضروریات ہیں جن میں سے ایک لباس ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ﴾ (النحل:۸۱) ’’اور تمہارے لیے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس بنائے جو تمہاری جنگ میں حفاظت کرتے ہیں‘‘۔ سرابیل کا واحد ’سربال‘ ہے جس کا معنی قمیص ہے۔ لباس کا اللہ تعالیٰ نے بطورِ نعمت ذکر کیا ہے: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا﴾ (الاعراف:۲۶) ’’اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت بخشے‘‘۔ عرب کے بعض مشرک مرد و عورتیں عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے جسے وہ تقویٰ کا عمل سمجھتے۔ یہاں اللہ تعالیٰ تمام انسانوں سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ لباس سے اپنے جسم کو چھپاؤ اور اس سے زینت حاصل کرو۔

لباس جیسی نعمت کا ذکر قصہ آدم و ابلیس کے پس منظر میں ہوا۔ شیطان نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو ورغلایا ہی اس لیے تھا کہ وہ دونوں کو بے لباس کر دے۔ ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا﴾ (الاعراف:۲۰) ’’پھر وسوسہ ڈالا ان

کے (دلوں میں) شیطان نے تاکہ بے پردہ کر دے ان کے لیے جو ڈھانپا گیا تھا ان کی شرم گاہوں سے‘‘۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکمل لباس پہننا‘ اپنے ستر کو ڈھانپے رکھنا‘ قصہ آدم علیہ السلام کا ایک اہم سبق ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جیسے ہی حضرت آدم و حوا نے شجر ممنوعہ کا پھل چکھا تو وہ بے لباس ہو گئے۔ فرمایا گیا: ﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾ (الاعراف:۲۲) ’’جب ان دونوں نے درخت (کا پھل) چکھ لیا تو ان کی شرم کی جگہیں ان کے لیے بے پردہ ہو گئیں اور وہ اپنے آپ کو باغ کے پتوں سے ڈھانکنے لگے‘‘۔ حضرت آدم و حوا جب بے پردہ ہو گئے تو انہیں شدید خجالت محسوس ہوئی اور وہ اپنے جسموں کو درختوں کے پتوں سے چھپانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا بھی تھا کہ دیکھو چوکنا رہنا‘ کہیں شیطان تمہیں اس جنت سے خارج نہ کر دے جس میں بھوک اور بے لباسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا: ﴿فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾﴾ (طٰہٰ) ’’تو ہم نے کہا اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو تم کو کہیں جنت سے نکال نہ چھوڑے کہ تم محروم ہو کر رہ جاؤ۔ اس میں تم کو یہ مقام حاصل ہے کہ تم اس میں نہ بھوکے رہو اور نہ ننگے‘‘۔

اسی لیے بنی نوع انسان کو شیطان سے بچنے کے لیے کہا گیا کہ جس طرح اس نے تمہارے والدین (آدم و حوا) کو اپنے جال میں پھنسا لیا‘ اسی طرح وہ تمہیں بھی ورغلانا چاہتا ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا﴾ (الاعراف:۲۷) ’’اے بنی آدم! شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے‘ جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا چھوڑا ان کے لباس اتروا کر کہ ان کو ان کے سامنے بے پردہ کر دے‘‘۔ انسان کو نصیحت کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ حضرت آدم و حوا کا شیطان کے ورغلانے سے بے لباس ہو جانے کا ذکر کر رہے ہیں‘ کیونکہ جب انسان کے اندر سے تقویٰ و پرہیزگاری کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے تو حیا ختم ہو جاتی ہے‘ جس سے فحاشی و عریانی پھیلتی ہے۔ دنیا میں انسان نئے نئے فیشن تیار کرتا ہے‘ جن کی تیاری میں وہ شرعی حدود کا خیال نہیں رکھتا۔ جیسے بعض عورتیں لباس تو پہنتی ہیں لیکن وہ حقیقت میں عریاں ہوتی ہیں‘ ان کے کپڑے اتنے باریک ہوتے ہیں کہ ان کا جسم چھپتا نہیں ہے۔ فیشن اور نئے

ڈیزائن میں اس قدر آگے نکل جاتی ہیں کہ جسم کے بعض وہ حصے جنہیں شریعت نے چھپانے کا حکم دیا ہے‘ عریاں ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا)) (۱)

’’ایسی عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی ننگی رہیں گی‘ دوسروں کو رجھائیں گی اور خود دوسروں پر رجھیں گی‘ ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے‘ وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہوں گی اور نہ وہ جنت کی خوشبو سونگھ سکیں گی۔‘‘

اسی طرح بعض مرد ایسے لباس پہنتے ہیں جو شریعت کی نظر میں قابل اعتراض ہیں۔ لباس اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس نے اپنی کتاب میں بعض ایسی چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے جن سے ہم ملبوسات تیار کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝۸۰﴾ (النحل)

’’اور ان (جانوروں) کے اون‘ ان کی روئیں اور ان کے بالوں سے تمہارے لیے گھریلو سامان اور ایک وقت تک برتنے کی چیزیں بنائیں۔‘‘

اس میں لفظ ’اثاث‘ توجہ کا متقاضی ہے۔ اثاث میں گھر کی تمام چیزیں‘ حتیٰ کہ کپڑے بھی شامل ہیں۔ تفسیر کبیر میں اثاث کی وضاحت کے سلسلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل ہے جس میں اثاث میں شامل اشیاء میں وہ ثیاب اور کسوۃ بھی شمار کرتے ہیں۔

اسلام صرف لباس پہننے پر ہی نہیں بلکہ زیب و زینت پر بھی زور دیتا ہے۔ چنانچہ لباس کا جہاں اوّلین مقصد ستر پوشی بتایا گیا ہے وہیں اس کے مقاصد میں آرائش و زیبائش بھی شامل ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے سورۃ الاعراف کی آیت ۲۶ نقل کر چکے ہیں جس میں لباس کا ایک مقصد ستر کو ڈھانپنے کے ساتھ زینت اختیار کرنا بتایا گیا ہے‘ اس کے لیے قرآن حکیم میں لفظ ’’ریش‘‘ وارد ہوا ہے۔ ریش اور ریاش دونوں ایک ہیں‘ جو لباس سے حاصل ہونے والی زینت کو کہتے ہیں۔ اصل میں ’ریش الطائر‘ پرندے کے پروں کو کہتے ہیں۔ چونکہ پرندے کے پر اس کے لیے بمنزلہ لباس ہوتے ہیں جو اس کو موسمی اثرات سے محفوظ رکھتے ہیں‘ اس لیے استعارہ کے طور پر یہ لفظ لباس کے معنی میں استعمال ہونے لگا‘ جس سے انسان کو زینت ملتی ہے۔ ریش کا معنی مال بھی ہے۔ اس لفظ کا تعلق ان کلمات سے بھی ہے جو نافع بن الازرق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب اللباس والزینۃ‘ باب النساء الکاسیات والعاریات المائلات الممیلات۔

سے دریافت کیے۔ بہرحال زیادہ تر مفسرین کرام نے ریش کو زینت کے معنی پر محمول کیا ہے۔ یہ زینت مال سے بھی انسان کو ملتی ہے جس میں لباس بھی شامل ہے۔ قرآن حکیم نے لباس کو بطور ریش ذکر کر کے بقول مولانا امین احسن اصلاحی جو گویا نہ تصورِ زندگی کی نفی کر دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’وہ شخص جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا‘‘۔ اس پر ایک شخص کہنے لگا کہ آدمی یہ بات پسند کرتا ہے کہ اُس کے کپڑے اچھے ہوں‘ اس کا جوتا اچھا ہو (تو کیا یہ تکبر ہے؟) اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے‘ وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے‘‘۔ (۱)

سورۃ الاعراف میں ہی فرمایا گیا: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (آیت ۳۱) ’’اے بنی آدم! ہر عبادت کے وقت اپنی زینت اختیار کرو‘‘۔ یعنی عمدہ اور صاف ستھرا لباس پہن کر اللہ کے حضور پیش ہوا کرو۔ یہ لباس اپنی اپنی مالی حیثیت کے مطابق پہننا چاہیے۔ ضروری نہیں کہ لباس بہت قیمتی ہو۔ ہاں! اگر کوئی صاحب حیثیت آدمی ہے تو اس پر قیمتی لباس پہننے پر کوئی قدغن نہیں ہے‘ بلکہ اس سے نعمت کا اظہار ہوگا۔ نئے لباس پہننے کے بارے میں جامع ترمذی میں دُعا ملتی ہے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا اُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ)) (۲) ’’سب تعریف اور شکر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے مجھے لباس پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس سے خوبصورتی حاصل کرتا ہوں‘‘۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی سرزنش کرتا ہے جو اس کی اُتاری ہوئی زینت کو حرام سمجھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (الاعراف:۳۲) ’’پوچھو‘ کس نے حرام ٹھہرایا ہے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو؟‘‘ اس زینت کو اختیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزیں پیدا کی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا﴾ (النحل:۱۴) ’’اور اس (بحر) سے تم زینت کی وہ چیزیں نکالو جنہیں تم پہنا کرتے ہو‘‘۔ اور دوسرے مقام پر یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ﴿وَتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا﴾ (فاطر:۱۲) ’’اور تم زینت کی چیز نکالتے ہو جس کو پہنتے ہو‘‘ سمندروں سے

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب تحریم الکبر وبیانہ۔

(۲) سنن الترمذی‘ کتاب الدعوات‘ باب فی دعاء النبی ﷺ۔

مختلف قیمتی جواہرات نکلتے ہیں جیسے لؤلؤ اور مرجان وغیرہ‘ ان سے انسان خوبصورتی اور جمال حاصل کرتا ہے۔

لباس کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں لباس کے بعض حصوں کا بڑے اہتمام سے ذکر کیا ہے۔ جیسے جلابیب (واحد: جلباب)‘ خمر (واحد: خمار)۔ نعل (جوتا) بھی لباس کا ایک حصہ ہے‘ اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں بیان کیا ہے۔ قمیص کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح ثیاب (واحد: ثوب) کا بھی ذکر ہوا ہے۔

اسلام صرف ظاہری لباس پر ہی زور نہیں دیتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ روح کے لباس کا بھی خیال رکھنے کے لیے کہتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ﴾ (الاعراف: ٢٦) ’’اور تقویٰ کا لباس جو اس (ظاہری لباس) سے بھی بڑھ کر ہے‘‘۔ تقویٰ کا لباس باطنی لباس ہے۔ بعض لوگ اپنی ظاہری شکل وصورت ایسی بنا لیتے ہیں کہ وہ بڑے پارسا دکھائی دیتے ہیں‘ حالانکہ وہ اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ وہ ایک ایسا جبہ پہن لیتے ہیں کہ جسے دیکھنے والے انہیں بہت پرہیزگار خیال کرتے ہیں‘ جب کہ ان کا باطن ان کے ظاہر کا ساتھ نہیں دے رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝٣٢﴾ (النجم) ’’پس اپنی خودستائی نہ کیا کرو‘ وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے‘‘۔ پرہیزگاری کے لباس کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

اِذا المرء لم یلبس ثیابا من اتقی
تقلب عریانا وان کان کاسیا
وخیر لباس المرء طاعة ربه
ولا خیر فیمن کان للّٰہ عاصیا

’’جب تک کوئی تقویٰ وپرہیزگاری کا لباس زیب تن نہ کرے گا‘ وہ کپڑے پہنے ہوئے بھی عریاں ہی ہوگا۔ آدمی کا بہترین لباس اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے‘ اور جو ربّ العزت کا نافرمان ہو‘ اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔‘‘

انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیّت

سُورۃ البقرۃ کی روشنی میں

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق اور رازق ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود:۶) ''زمین پر چلنے پھرنے والا (یعنی جاندار) جو بھی ہے اس کا رزق اللہ کے ذمّے ہے''۔ وہ ہر جاندار کو اس کی ضرورت کے مطابق رزق دے رہا ہے۔ پرندوں کو دانہ دنکا' چرندوں کو گھاس پات اور درندوں کو گوشت مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح انسانوں کو روزی فراہم کرتا ہے۔ ہر جاندار تھوڑی سی محنت اور کوشش سے اپنی روزی حاصل کر لیتا ہے۔ انسانوں کو بھی حکم ہے کہ روزی کے لیے جدّوجُہد کریں اور عقل و شعور کے ساتھ وہ ذرائع اختیار کریں جو خالق نے ان کے لیے جائز قرار دیے ہیں۔ ناجائز ذرائع سے روزی حاصل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے' کیونکہ اس طرح حاصل کی ہوئی روزی معاشرے میں ظلم اور فتنے کا باعث بنتی ہے۔

انسان جدوجہد کے ساتھ اسی قدر روزی حاصل کر سکتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقدر کر رکھی ہے۔ یہ انسان کا کام ہے کہ وہ یہ روزی جائز ذرائع سے حاصل کرتا ہے یا ناجائز ذرائع سے۔ بہرحال رزق کی فراہمی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' وہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اور یہ سارا کام نہایت حکیمانہ انداز میں ہو رہا ہے۔ اگر سب لوگوں کو ایک جیسی فراخی یا تنگی ہوتی تو نظامِ کائنات نہیں چل سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں دولت کے اعتبار سے مختلف سطح کے لوگ ہیں' امیر کبیر بھی ہیں اور غریب مسکین بھی۔ دنیا میں انسان سراسر امتحان میں ہے۔ جن کی روزی کشادہ ہے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ اس پیسے سے وہ اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں یا بے جا خرچ اور فضول خرچیاں کرتے ہیں۔ پیسے کے بل بوتے پر کمزوروں اور غریبوں کا استحصال کرتے ہیں یا تنگدستوں' محتاجوں اور ضرورت

مندوں کی مدد کرتے ہیں۔ نادار' فقیر' مسکین اور تنگدست لوگ بھی امتحان میں ہیں کہ وہ اس تنگی ترشی کو اللہ کی رضا سمجھ کر صبر کرتے ہیں یا شکوہ و شکایت اور بے صبری کا اظہار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صاحب ثروت لوگوں پر لازم کیا ہے کہ اس مال کو اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کریں۔ اپنی ضروریات بھی پوری کریں اور اس مال میں سے معاشرے کے گرے پڑے لوگوں کی مدد بھی کریں۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب دولت مند لوگ سمجھیں کہ ان کے پاس جو مال و دولت ہے وہ اللہ کا عطا کردہ بلکہ اللہ کی امانت ہے۔

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست
درحقیقت مالکِ ہر شے خداست

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے۔ ہر طرح کے لوگ اسے پڑھیں گے مگر اس سے فائدہ صرف وہی اٹھا سکیں گے جو متقی ہوں گے' اور متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے سورۃ البقرۃ کے آغاز میں یہ الفاظ ہیں کہ: ''یہ لاریب کتاب ہے' اور یہ ہدایت ہے ان متقی لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں اور اس مال میں سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں''۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو مال و دولت کسی کے پاس ہے وہ عطیۂ خداوندی ہے اور جو شخص اس قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا خواہش مند ہو اسے اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے' غیب پر ایمان لانے اور نماز قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہوگا' یعنی اس مال کو اس انداز میں خرچ کرنا ہوگا کہ اپنی ضروریات بھی پوری کرے اور معاشرے کے نادار لوگوں کا بھی خیال رکھے۔ جب لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ (آیت ۲۱۹) ''ان سے کہہ دیجیے کہ جو تمہاری ضرورتوں سے زائد ہو''۔ گویا مال و دولت سے اپنی ضروریات پوری کرنے سے نہیں روکا گیا' ہاں یہ ضرور ہے کہ زائد از ضرورت مال جمع کر کے اپنے پاس رکھنا اور ضرورت مندوں کو نہ دینا کنجوسی اور بخل ہے' جو جائز نہیں۔ آیت ۱۹۵ میں ارشاد ہے کہ ''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے تئیں اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو''۔ اللہ کا فرمان سچا ہے۔ وہ مال دار جو اللہ کا دیا ہوا مال اللہ کے حکم کے مطابق خرچ نہیں کرتا وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ اسے دنیاوی زندگی میں اس کا احساس نہ ہو تو اور بات ہے' بالآخر آخرت میں تو وہ اپنا خسارہ دیکھ لے گا' جب اس سے سوال ہوگا کہ میرے دیے ہوئے مال میں سے میری راہ میں اور میرے حکم کے مطابق ضرورت مندوں اور محتاجوں پر خرچ کیوں نہیں کیا؟

آیت ۲۱۵ میں فرمایا: ''وہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ مال کیسے خرچ کریں؟ تو ان کو بتا دیجیے جو مال تم خرچ کرو وہ والدین‘ قریبی رشتہ داروں‘ یتیموں‘ مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے''۔ یعنی مال کے ساتھ اپنے ماں باپ کی ضروریات پوری کرو‘ ان کو نفع پہنچاؤ۔ قریبی رشتہ داروں کا بھی خیال رکھو‘ کوئی یتیم مسکین ہے تو اس کی ضروریات پوری کرو۔ مسافر اگر دورانِ سفر مالی طور پر بے بس ہو جائے تو اس کی بھی مدد کرو۔ اس آیت کے تقاضوں پر عمل کی صورت میں کسی کے والدین بے سہارا نہ رہیں گے۔ معاشرے سے گداگری ختم ہو جائے گی‘ کیونکہ کسی خاندان میں اگر نادار ہوں گے تو صاحب ثروت بھی ہوں گے۔ اگر اپنے خاندان اور عزیز و اقارب کے تنگ دست لوگوں کی مدد خاندان کے امیر لوگ اپنے ذمہ لے لیں تو کسی کو بھیک مانگنے کی ضرورت نہ رہے۔ اسی طرح اپنے قرب و جوار میں بسنے والے یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کی کفالت کی ذمہ داری قریبی رشتہ دار یا قریب رہنے والے گلی محلّہ کے دولت مند لوگ لے لیں تو معاشرہ جنت نظیر بن سکتا ہے‘ جس میں کسی مفلس کو در بدر ہاتھ پھیلانے کی حاجت نہ رہے گی۔

اسلام مال کی محبت کو پسند نہیں کرتا‘ اسی لیے دولت مندوں پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات سے زائد مال جمع نہ کریں بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کریں اور وہ خرچ کرنا ان کے لیے آنے والی حقیقی زندگی میں بہت نفع دے گا۔ آیت ۲۵۴ میں ہے: ''اے ایمان والو جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کر لو جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ ہی دوستی اور سفارش (کام آئے گی)''۔ یعنی موت کا آنا تو برحق ہے۔ ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ مرنے سے پہلے پہلے ہر شخص کو موقع ہے کہ وہ اپنے مال میں سے فی سبیل اللہ خرچ کر لے۔ جس دن اس کی موت واقع ہوگئی اس کا اختیار بھی ختم ہو گیا اور وہ مال وارثوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اب ان کی مرضی ہے خرچ کریں یا نہ کریں۔ اگر وہ نیکی کے کاموں میں خرچ کریں گے تو ثواب وہ پائیں گے‘ جو مال چھوڑ کر مر گیا اس نے تو فائدہ نہ اٹھایا۔ لہٰذا موت سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کر لو‘ ورنہ قیامت کے دن یہی مال جس کو بندہ اپنا مال کہتا اور سمجھتا ہے اس کے لیے وبالِ جان بن جائے گا۔

اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال نشوونما پاتا ہے‘ جس کی مثال آیت ۲۶۱ میں اس طرح بیان کی گئی ہے: ''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں‘ اور اللہ جس کے مال کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے‘ وہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے''۔ یعنی اللہ

تعالیٰ کے ہاں ایک روپیہ خرچ کرنے والے کو ۷۰۰ روپے خرچ کرنے کے برابر اجر و ثواب ملے گا یا اس سے بھی زیادہ‘ جیسا کہ ایک دانہ بوئیں تو سات سو یا اس سے بھی زیادہ دانے حاصل ہوتے ہیں۔

مال تو ہر شخص کی چاہت ہے۔ دنیا کی زندگی میں مال و دولت کے ساتھ آسائشیں اور سہولتیں حاصل ہوتی ہیں‘ لہٰذا مال و دولت بڑی مرغوب شے ہے‘ مگر مال کی اس محبت کے باوجود اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہی اصل نیکی ہے۔ آیت ۱۷۷ میں ارشاد ہے: ''(نیکی تو اس شخص کی ہے) جو مال باوجود عزیز رکھنے کے‘ رشتہ داروں‘ یتیموں اور محتاجوں‘ مسافروں اور مانگنے والوں کو دے‘ اور گردنیں آزاد کرنے میں خرچ کرے''۔ گویا حقیقی نیکی وہ ہے جس کا کرنا نفس امارہ کو شاق گزرے۔ دل تو یہی چاہتا ہے کہ میں اپنا مال کیوں اپنے سے جدا کروں مگر اللہ کی خوشنودی کے لیے مال خرچ کرنا اور اپنی پیاری اور محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں دینا ہی اصل نیکی ہے۔

مال خرچ کرنے کے دو انداز ہو سکتے ہیں‘ ایک اعلانیہ اور دوسرے خفیہ۔ حالات کے مطابق دونوں کی اجازت ہے۔ آیت ۲۷۱ میں ہے: ''اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو وہ بھی خوب ہے‘ اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہل حاجت کو تو وہ خوب تر ہے‘ اور اس طرح کا دینا تمہارے گناہوں کو دور کر دے گا‘ اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے''۔ اصول یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی اعلانیہ اور نفل کام چھپا کر کرنے بہتر ہیں۔ چنانچہ زکوٰۃ فرض ہے‘ اس کی ادائیگی اعلانیہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس سے دوسروں کو بدظنی بھی نہیں ہوگی کہ فلاں اتنا امیر ہے مگر زکوٰۃ نہیں دیتا۔ پھر اس کو دیکھ کر دوسرے دولت مندوں کو بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کا جذبہ ملے گا۔ ہاں زکوٰۃ کے علاوہ جو صدقات ہیں وہ خفیہ دیے جائیں تاکہ اُن میں ریاکاری کا دخل نہ ہو اور اللہ کے ہاں ان کا بھرپور بدلہ ملے‘ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو دائیں ہاتھ سے دیا جائے تو بائیں کو خبر نہ ہو۔ گویا ایسی خیرات محض اللہ کی رضا کے لیے ہوگی جو بھرپور بدلہ پائے گی۔ بعض اوقات نفل صدقات بھی اعلانیہ مفید رہتے ہیں‘ اس میں دینے والے کی نیت کو دخل ہے۔ اگر کوئی شخص مسجد میں چندہ دیتا ہے یا کسی دوسرے نیک کام میں اعلانیہ خرچ کرتا ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اس سے دوسروں کو ترغیب ہوگی تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر ریاکاری کا خطرہ ہو تو زکوٰۃ بھی لوگوں کی نظروں سے چھپا کر دی جائے تو اچھا ہے۔

شیطان ہر نیک کام کی راہ میں آڑ بن جاتا ہے‘ یہاں بھی وہ بڑا کارگر حملہ کرتا ہے۔ آیت

۲۶۸ میں ہے: ''شیطان تمہیں تنگدستی سے خوف دلاتا ہے اور فحاشی کے کام کرنے کو کہتا ہے' جبکہ اللہ تم سے بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے''۔ شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے اور فی سبیل اللہ خرچ سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ خرچ کرو گے تو تمہارے پاس رقم کم ہو جائے گی' یعنی تم اپنا نقصان کر لو گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے والے کے مال میں برکت ڈالتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا انفاق اس کے گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر شیطان کا یہ ہتھیار ناکام رہے اور انسان انفاق کا ارادہ کر ہی لے تو وہ اس کے لیے نمود و نمائش کا لالچ دیتا ہے' پھر وہ خرچ تو کرتا ہے مگر اس سے مطلوب اپنی بڑائی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اس طرح کا صدقہ ضائع چلا جاتا ہے جس طرح کہ وہ صدقہ ضائع ہو جاتا ہے جس کے بعد احسان جتایا جائے یا ایذا پہنچائی جائے۔ جیسا کہ آیت ۲۶۴ میں ہے: ''اے اہل ایمان' اپنے صدقات (خیرات) احسان جتا کر اور ایذا دے کر باطل نہ کر لو''۔ یعنی کسی نادار یا تنگدست کی صدقہ خیرات کے ساتھ مدد کرو تو اس کو احسان جتا کر شرمندہ نہ کرو اور نہ ہی اسے زیر بار سمجھ کر کسی اور طریقے سے ستاؤ۔ یہ وہ نیکی ہے کہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے اور اگر دنیا میں کسی بھی صورت میں اس کا بدلہ لے لیا تو آخرت میں اس کا کچھ بدلہ نہیں ملے گا۔

جب انسان خرچ کرتا ہے تو بظاہر اس کی دولت کم ہوتی ہے مگر حقیقت اس کے خلاف ہے۔ ہر کسی کا مشاہدہ ہے کہ اگر خرچ کرنے سے مال کم ہوتا ہو تو دنیا میں کوئی سخی مشہور نہ ہو' کیونکہ سخی تو ہر وقت ضرورت مندوں کی ضرورت میں مال خرچ کرتا ہے تو ایک دن آئے کہ اس کے پاس کچھ نہ رہے' مگر فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ اس کا تجربہ اسی کو ہوتا ہے جو یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ آیت ۲۷۶ میں ہے: ''اللہ تعالیٰ سود کو نابود (بے برکت) کرتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے''۔ حالانکہ بظاہر جو سود لیتا ہے اس کی رقم میں اضافہ ہوتا ہے اور خیرات کرنے والا اپنے مال میں سے خرچ کرتا ہے' مگر آپ نے کبھی کوئی سود خور ایسا نہ دیکھا ہو گا جس کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی عادت ہو۔ وہ ہمیشہ پیسے کی کمی کا شکار رہتا ہے اور سود پر سود لے کر اپنی دولت کو بڑھاتا رہتا ہے اور دولت کے کم ہونے کی فکر میں گھلتا رہتا ہے۔ جبکہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے والا مطمئن اور آسودہ رہتا ہے' کیونکہ اس کی نظر آخرت میں اللہ کے فضل اور بخشش پر ہوتی ہے۔

صدقہ اور خیرات کے ذریعے انسان دوسروں کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے۔ وہ کسی

ضرورت مند کی ضرورت پوری کر دیتا ہے مگر اصل میں وہ اپنا ہی فائدہ کر رہا ہوتا ہے' جیسا کہ آیت ۲۷۲ میں ہے: ''اور جو کچھ تم خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تم ہی کو ہے۔ آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔ تو جو کچھ مال تم خیرات میں خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہو گی''۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو حق تلفی کا کوئی سوال ہی نہیں' وہ تو احکم الحاکمین ہے اور وہ اپنی شان کے مطابق اجر مرحمت فرمائے گا۔

نماز اور زکوٰۃ ارکانِ اسلام میں سے ہیں۔ قرآن مجید میں بار بار ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں بھی ان الفاظ کو دہرایا گیا ہے۔ ان الفاظ کا معنی ہے: ''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو''۔ نماز بدنی عبادت ہے جبکہ زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ جس طرح پنجگانہ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے اسی طرح ہر صاحب نصاب پر سال کے بعد اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کرنا لازمی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ تو فرض کے درجہ میں ہے' اس کے علاوہ بھلائی اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا نفلی صدقات ہیں۔ جو مالدار زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لیے سخت وعید ہے کہ ان کا مال دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا' پھر اس سے ان کی پیشانیاں' پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا' سو جو تم جمع کرتے تھے اس کا مزا چکھو۔ (التوبۃ: ۳۵)

زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم نماز کے ساتھ جمع ہو کر سورۃ البقرۃ میں بھی تین جگہ آیا ہے: آیت ۴۳' ۸۳ اور ۱۱۰۔ گویا سورۃ البقرۃ میں جہاں نفلی صدقات کا حکم اور ترغیب دی گئی ہے وہاں فرض انفاق یعنی زکوٰۃ کی اہمیت کو اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا گیا ہے تاکہ واضح رہے کہ جتنی اہمیت نماز پنجگانہ کی ہے اتنی ہی ضروری زکوٰۃ بھی ہے۔

❁❁❁

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِہَا

گلوبلائزیشن اور ہمارا نظامِ تعلیم

پروفیسر جہاں آراء لطفی

تعلیم وتدریس کسی بھی ملک کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دنیا کا کوئی فرد یا کوئی ملک اس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کر سکتے۔ تدریسی ادارے اور علمی درسگاہیں کسی بھی ملک کے مستقبل کا پتا دیتی ہیں۔ اسلامی ممالک اس لحاظ سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں' جبکہ علم کی اہمیت اور تعلیم کی ضرورت کو سب سے پہلے اسلام اور مسلمانوں نے ہی سمجھا اور ابلاغ کیا۔ جب بھی تعلیم' تعلّم' علم' درس وتدریس اور استاد وشاگرد کی بات ہو اسلام کی رہنمائی اور ہدایت کو فراموش کیا جاسکتا ہے نہ مسلمانوں کے آباء کی اس حوالے سے ان خدمات کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے علمی میدان میں کیں۔ چنانچہ اگر کسی اسلامی ملک کی تعلیم بدحالی کا شکار ہو یا اس کو بگاڑا جارہا ہو تو نقصان مسلمانوں کا ہے۔

انتہائی دکھ اور افسوس ہوتا ہے جب ہم اس مملکت خداداد پاکستان کے کسی بھی ادارے کی بدحالی اور تنزلی کا ذکر سنتے ہیں' لیکن دل خون کے آنسو روتا ہے جب علمی درسگاہوں کی زبوں حالی اور کسمپرسی دکھائی دیتی ہے۔ تعلیم کے زوال اور تعلیم وتعلیمی اداروں کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کر کے مسلمانوں کو کسی قابل نہ چھوڑنے کا ٹھیکہ جس سپر پاور نے اٹھایا ہے اس نے دراصل پوری دنیا کو اپنے غلام کی شکل میں دیکھنے کا تہیہ کر رکھا ہے اور تعلیمی اداروں کا انحطاط بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مرض کی علامتیں بہت ہیں مگر اصل مرض اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ عصر حاضر میں چند نئی اصطلاحات رائج ہوئی ہیں' یہ اصطلاحات ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت دنیا میں متعارف کروائی گئی ہیں' مثلاً عالمگیریت (گلوبلائزیشن) بنیاد پرستی' جدیدیت' اسلام کی اصلاح' انتہاپسندی اور روشن خیالی' جن کا مطلب بھی ہمیں وہی سمجھاتے ہیں جنہوں نے ان اصطلاحات کو فروغ دیا ہے۔ البتہ ان تمام اصطلاحات کا تعلق نیو ورلڈ آرڈر سے ہی بنتا ہے جو امریکہ دنیا کے تمام ممالک اور قوموں پر

مسلط کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر دیکھنے کو وہ بے تاب ہے اور بے صبرا ہو رہا ہے' جس کے نتیجے میں دنیا میں افراتفری' بے چینی اور بدامنی کو فروغ ملا ہے۔ تعلیمی اداروں کے انحطاط یا ترقی کے نام پر تنزلی بھی اسی ''نیو ورلڈ آرڈر'' سے تعلق رکھنے والی اصطلاح گلوبلائزیشن کی وجہ سے ہے۔

گلوبلائزیشن کے معنی

گلوبلائزیشن کے معنی ہیں عالمگیریت۔ Webster کی نیو کالجیٹ ڈکشنری میں اس کے معنی ہیں: ''کسی چیز کو عالمیت کا جامہ پہنانا یا کسی چیز کو عالمی بنانا۔''

بعض مفکرین نے گلوبلائزیشن کو ''نیا عالمی نظام'' یعنی ورلڈ آرڈر بھی کہا ہے' یعنی نیو ورلڈ آرڈر ہی دراصل گلوبلائزیشن ہے۔

سابق امریکی صدر بل کلنٹن کے مطابق ''گلوبلائزیشن محض اقتصادی مسئلہ نہیں ہے' بلکہ یہ ماحول' تربیت اور صحت جیسے مسائل سے بھی دلچسپی رکھتا ہے۔''

اس اصطلاح کو سب سے پہلے سابق امریکی صدر بش کے والد محترم جناب بش سینئر نے اپنی تقریر کے دوران استعمال کیا تھا۔

The International Encyclopedia of Business Management

کے مطابق یہ لفظ بتاتا ہے کہ اس کے مخصوص معنی ہیں۔

''یہ ایک عالمی تہذیب کے پھیلاؤ اور اس کو وسعت دینے کے لیے نقش راہ ہے۔''

عرب دانشور ڈاکٹر مصطفیٰ انسار گلوبلائزیشن کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''عالمگیریت کا مطلب ہرگز مختلف تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنا نہیں بلکہ اس کا مطلب تمام مقامی تہذیبوں کو مٹا کر پوری دنیا کو مغربی تہذیب میں رنگنا ہے''۔

ڈاکٹر عبدالوہاب المیری بھی عرب دانشور اور نقاد ہیں' لکھتے ہیں:

''عالمگیریت مغربی روشن خیالی کی دعوت وتحریک کا نام ہے جس کا مقصد تہذیبی اور انسانی خصوصیات کا خاتمہ کرنا ہے۔''

گلوبلائزیشن وطن کی وطنیت اور قوم کی قومیت کا خاتمہ کرنے کی خاطر معرض وجود میں آیا ہے۔ یہ کسی بھی قوم کے دینی' معاشرتی اور سیاسی انتساب کو ختم کرنے کا داعی ہے تاکہ اس قوم کی حیثیت بڑی طاقتوں کے ادنیٰ خادم کی سی رہ جائے۔ چنانچہ گلوبلائزیشن امریکی تہذیب اور

وہاں کے طرزِ زندگی کو پوری دنیا پر تھوپنے کی ناکام کوشش ہے۔ یہ ایک نظریہ ہے جو سارے عالم پر بلاواسطہ اقتدار و بالادستی کا عکاس ہے۔

چنانچہ عالمگیریت کا یہ طوفان دراصل مغربی استعمار ہے جو چند دہائیوں کے سکوت کے بعد ایک نئی شکل اختیار کر کے واپس لوٹ رہا ہے اور اس کی راہ ہموار کرنے والے اپنے پورے ذرائع اور وسائل بھرپور قوت کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی نے اس طوفان کو بڑھنے میں بڑی مدد دی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ و برطانیہ' جو اس جنگ میں فاتح رہے اور غالب ہوئے' عالمی فتنے پر ایک بڑی طاقت بن کر ابھرے۔ یہودیوں نے اپنے خواب گریٹر اسرائیل کی تعبیر کے لیے امریکہ کو گلوبلائزیشن کے سرسبز باغ دکھائے اور مسیحیوں کو ایک مرتبہ پھر زیر کرنے کے حربے استعمال کرنا شروع کر دیئے' یہاں تک کہ گلوبلائزیشن امریکانائزیشن بن گیا۔ عیسائیوں کو دانستہ صیہونیوں کا آلۂ کار بننے میں دیر نہ لگی۔ چنانچہ گلوبلائزیشن کی اصطلاح کا بے دریغ استعمال شروع ہو گیا۔ ایک کینیڈین ماہر عمرانیات ''مارشل میک'' نے تعلیمی اور تدریسی ادارے میں پہلی مرتبہ یہ اصطلاح استعمال کی اور سیاسی تقاریر میں امریکی صدر جمی کارٹر کے مشیر برجنیکی نے یہ اصطلاح اپنی تقریر کے دوران استعمال کرتے ہوئے کہا:

''امریکہ جو ذرائع ابلاغ کے ۶۵ فیصد حصے کا مالک ہے' تجدد کا عالمی نمونہ بننے اور امریکی اقدار' آزادی اور حقوق انسانی کی نشر و اشاعت کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔''

جرمنی کے اسلامی مفکر ڈاکٹر مراد ہاف مین کہتے ہیں:

''گلوبلائزیشن نے اُمت مسلمہ کے درمیان تفریق پیدا کرنے اور اسلام کی اعلیٰ اقدار کے خلاف یورش کرنے کے لیے فکری حملے شروع کر دیے ہیں' جن میں اس تحریک کے سب سے خطرناک ہتھیار جنس پرستی' مادیت' فردیت' دولت اور ثروت کے ذریعے فتنہ انگیزی کرنا ہے۔''

۱۹۹۲ء میں فرانسس فوکویاما کی کتاب ''دی اینڈ آف ہسٹری اینڈ دی لاسٹ مین'' منظر عام پر آئی' جس میں اُس نے لکھا کہ اب دنیا نظریاتی ارتقاء کی منطقی حدوں کو چھو رہی ہے اور مغربی طرز کی لبرل جمہوریت بھی دنیا کا سیاسی مقدر ہے۔ دراصل اس سے قبل اس نے ۱۹۸۹ء میں ''تاریخ کا خاتمہ'' (The End of History) نامی کتاب لکھی تھی۔ اس کتاب کا مقصد گلوبلائزیشن کے نظریے کو پوری شدت کے ساتھ پیش کرنا تھا۔ فوکویاما دراصل ایک جاپانی نژاد امریکی ہے اور مغرب کی یہ پالیسی رہی ہے کہ وہ اپنے کسی بھی نظریے کو جب عالمگیر سطح پر

متعارف کرانا اور رائج کرنا چاہے تو میڈیا سے بھرپور مدد لیتا ہے۔ یوں وہ کوئی بھی قانون یا نظریہ نافذ کرنے سے قبل عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عالمگیریت کے لیے بھی یہی حربہ آزمایا گیا ہے۔ چنانچہ ایسے لکھاری جن کے دماغوں اور ذہنوں کی نشوونما صیہونی نمائندوں نے کی ہے' ان کے لیے نہایت کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ اس کتاب کا مقصد عالمگیریت کا پرچار اور عالمی سطح پر اس نظریے کے خلاف ردِعمل کا جائزہ لینا تھا اور ایسا ہی ہوا کہ اس کی کتاب نے دنیا کو اس موضوع کے حوالے سے ایک نئی بحث میں الجھا دیا' چنانچہ لوگ دو حصوں میں بٹ گئے' کچھ نے مخالفت کی' کچھ نے موافقت کا رویہ اپنایا۔ جبکہ اوّل الذکر کتاب (The End of History and the Last Man) کا مقصد امریکی طرز عالمگیریت کو متعارف کرانا تھا۔ اس کتاب اور اس نظریے پر اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ فوکویاما نے امریکی طرز کی جمہوریت کو دنیا کے لیے بہترین نمونہ بنا کر پیش کیا ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ تمام اقوام کو حکمرانی کا یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ فوکویاما سے متفق تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ یہ واضح غلط فہمی ہے جو فوکویاما کے خیالات کی غلط تشریح نے پیدا کی ہے۔ فوکویاما لکھتا ہے:

''آج ہم انسانی تاریخ کے فیصلہ کن مرحلے میں قدم رکھ چکے ہیں' ایک ایسے مرحلے میں جو دیگر تمام عالمی نظاموں کے مقابلے میں مغربی' جمہوری' لبرل اور سرمایہ دارانہ نظام کی فتح و نصرت کے لیے وجود پذیر ہوا ہے۔ دنیا حماقت کے ایک طویل دور سے گزرنے کے بعد یہ جان چکی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام ہی بہترین اقتصادی نظام ہے۔ مغربی لبرل نظام ہی بشریت کے لیے واحد طرزِ زندگی ہے۔ امریکہ اور یورپ اپنے اقتصادی پھیلاؤ کی وجہ سے تاریخ کے آخری مرحلے میں قیادت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں اور مغربی انسان ہی مکمل اور بہترین انسان ہے۔''

اس چالاک اور صیہونی و نصرانی نواز خودساختہ مفکر نے یہ بات اس لیے کہی تاکہ مغربی عوام کو اپنا ہم خیال اور ہمنوا بنا کر گلوبلائزیشن کی ترویج و اشاعت اور نفاذ کے لیے راستہ ہموار کیا جا سکے۔ اس کتاب کے بعد ایک اور کتاب منظر عام پر آئی' جس نے دنیا بھر میں ایک اور اصطلاح متعارف کروائی اور اس اصطلاح نے تہلکہ مچا دیا۔ یہ اصطلاح تھی ''تہذیبوں کا تصادم'' (The Clash of Civilizations)۔ اس مفکر اور دانشور کا نام سیموئیل پی ہن ٹنگٹن ہے۔ یہ ہارورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر ہے۔ اس کے پاس مختلف عہدے ہیں۔ یہ امریکہ کی نیشنل سکیورٹی کونسل کا ڈائریکٹر ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کی اکیڈمی فار انٹرنیشنل اینڈ ایریا

اسٹڈیز اور جان ایم اولین انسٹی ٹیوٹ فار اسٹریٹجک اسٹڈیز کا ڈائریکٹر ہے۔ امریکی وزارت خارجہ کے رسالے Foreign Policy کا ایڈیٹر ہے اور امریکن پولیٹیکل سائنس ایسوسی ایشن کا پریذیڈنٹ بھی ہے۔ اس نے ۱۹۹۳ء میں ''فارن پالیسی'' نامی میگزین میں ایک مضمون The Clash of Civilizations لکھا۔ اس کو ۱۹۹۶ء میں کتابی شکل میں نیویارک سے شائع کیا گیا۔ اس کا نام ہے The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order ۔ اس نام سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان تمام اصطلاحات و نظریات کا کیا مقصد ہے۔ اس کتاب کو فوکویاما کی کتابوں سے بھی بڑھ کر شہرت ملی۔ یہ کتابیں گلوبلائزیشن کے نفاذ کی کئی کڑیاں ہیں۔ ایک اور کتاب جو اسی موضوع پر لکھی گئی اس کے مصنفین Henson Peler Marton اور Herald Shoeman لکھتے ہیں:

''عالمگیریت کے نفاذ کا آغاز اسی دن ہو گیا تھا جب ۱۹۹۵ء میں سابق روسی صدر ''گورباچوف'' نے امریکی شہر ''سان فرانسسکو'' کے مشہور ''پیرامنٹ'' ہوٹل میں ۵۰۰ افراد کو دعوت دی، جن میں سیاسی قائدین، سماجی مفکرین، کمپیوٹر اور ٹیکنالوجی کے ماہرین اور اسٹین فورڈ، ہارورڈ اور اوکسفورڈ یونیورسٹی کے شعبہ معاشیات کے پروفیسروں نے شرکت کی۔ بند کمرے کی اس میٹنگ کا مقصد یہ تھا کہ اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے لیے Road Map متعین کیا جائے۔ میٹنگ میں جن سابق امریکی صدور نے شرکت کی ان میں سابق امریکی صدر جارج بش سینئر، سابق امریکی وزیر خارجہ شولٹز اور سابق برطانوی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر اہم لوگ ہیں۔''

جیسا کہ میں نے اس مضمون کی ابتدا میں تحریر کیا ہے کہ گلوبلائزیشن کا لفظ جارج بش سینئر نے اپنی تقریر میں پہلی مرتبہ استعمال کیا تھا۔ اس کا اندازہ امریکی صدور کی پالیسیوں اور تقاریر سے بخوبی ہوتا رہتا ہے جنہیں یہ خوف کھائے جا رہا ہے کہ مغرب میں اسلام کا موسم نہ چھا جائے جو کہ امن و سلامتی کا دین ہے اور جو اس دین کو قبول کر لیتا ہے وہ امن پسند ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک طرح سے خود امریکہ کے مفاد میں جاتا ہے جہاں معاشرتی ترقی اور ماڈرن ازم، اباحیت بلکہ صیہونیت کے دور میں داخل ہو چکی ہے اور اب ایسی سوسائٹیوں اور انجمنوں کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے جو انہیں واپس انسانیت کے جامے میں لائیں۔

پاکستان میں تعلیمی اداروں کے اندر مختلف پالیسیوں کا نفاذ اس لحاظ سے تو قابل قبول ہونا چاہیے کہ وہ ایجوکیشن ٹیکنالوجی کے جدید انداز اور طریقوں کو اپنا کر سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی

میں آگے بڑھنے میں مددگار ثابت ہوں، لیکن اس لحاظ سے ہرگز قابل قبول نہیں ہونا چاہیے کہ وہ یہاں معاشرے میں بے حیائی، فحاشی، مادہ پرستی اور خودغرضی کو فروغ دیں۔ ہمارا نظام تعلیم تو پہلے ہی لنگڑا لولا تھا، اب اسے اندھا اور بہرا بھی بنایا جا رہا ہے۔ پھر یہ نظام گونگا بھی ہو جائے گا۔ یوں زندگی کی رمق محض سانس کی ڈوری تک محدود ہو جائے گی جس کے نتیجے میں ایک ایسی قوم وجود میں آئے گی جو حواسِ خمسہ سے یکسر محروم ہو گی۔ حضرت علی بن ابی طالب ؓ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کی تحقیر کرنا چاہے تو اسے علم سے محروم کر دیتا ہے۔''

ہفت روزہ اکانومسٹ لندن میں عرب دنیا کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع ہوئی جو اقوامِ متحدہ کی رپورٹ ہے۔ اس کو HDR (ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ) کہا جاتا ہے۔ یہ رپورٹ عرب دانشوروں نے ہی تیار کی ہے۔ ۲۰۰۲ء کی اس رپورٹ میں کچھ حقائق انتہائی حیرت انگیز ہیں، مثلاً تعلیم کے حوالے سے لکھا گیا ہے:

''عرب تعلیم پر کسی بھی دوسرے ترقی پذیر ملک کے مقابلے میں مجموعی قومی پیداوار کا زیادہ سے زیادہ فیصد خرچ کرتے ہیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ صحیح طرز پر خرچ نہیں کیا جاتا۔ تعلیم کا معیار قابل رحم حد تک گرا ہوا ہے۔ لیبر مارکیٹ اور تعلیمی نظام میں کوئی رابطہ نہیں ہے۔ ناخواندگی کی شرح میں کمی ہوئی ہے لیکن پھر بھی بہت زیادہ ہے۔ ساڑھے چھ کروڑ افراد ناخواندہ ہیں جن میں دو تہائی خواتین ہیں۔ ایک کروڑ بچوں کو سکول میسر نہیں ہوتا۔ اس ناقص تعلیم کا سنگین نتیجہ یہ ہے کہ عرب جنہوں نے کبھی سائنسی ترقی کی قیادت کی تھی آج سائنسی ترقی و تحقیق اور انفارمیشن ٹیکنالوجی میں بہت پیچھے چلے گئے ہیں۔ تحقیق و ترقی میں سرمایہ کاری دنیا کے اوسط کا ساتواں حصہ ہے۔ آبادی کا چھ فیصد انٹرنیٹ استعمال کرتا ہے اور ۲ء۱ فیصد کے پاس ذاتی کمپیوٹر ہے۔ اس کا نتیجہ تخلیقی سرگرمی میں کمی ہے۔ خلیفہ مامون رشید کے ایک ہزار سال پہلے کے دور سے لے کر اب تک جتنے تراجم عرب دنیا میں ہوئے ہیں اتنے اسپین صرف ایک سال میں مہیا کر لیتا ہے۔''

یہ بالکل حقیقت ہے، لیکن اس حقیقت کی ساری ذمہ داری اگر دوسروں پر عائد کر دی جائے تو انتہائی احمقانہ اور بے سروپا فیصلہ ہو گا۔ اپنی طرف نظر ڈالنے کی ہمیں ہمت کرنی پڑے گی اور جب ہم اپنی طرف دیکھیں گے تو قصور اپنا ہی نظر آئے گا۔ آج جس طرف ہمیں لے جایا جا رہا ہے عرب دنیا وہاں جا چکی ہے۔ ۲۵ اگست ۱۹۸۱ء کو صیہونی وزیر اعظم بیگن مصر کے دورے پر گئے۔ مصر اور اسرائیلی تعلقات میں بہتری زیر بحث تھی۔ بیگن نے انور السادات کو

مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''میں آپ کی اس بات کا کیسے یقین کرلوں کہ آپ ہمارے ساتھ واقعتاً دوستی چاہتے ہیں' جبکہ آپ کے طلبہ کو اب بھی قرآنی آیات کی تعلیم دی جاتی ہے جن میں یہود اور نصاریٰ کے خلاف باتیں ہیں'' تو صدر سادات نے اپنے وزیر تعلیم کو طلب کیا اور حکم دیا کہ وہ تمام ایسی آیات کو نصاب سے خارج کر دیں جس میں یہود دشمنی کا ذکر ہو۔

کیمپ ڈیوڈ معاہدے سے قبل بھی انور السادات سے امریکہ نے اس قسم کے مطالبات منوائے۔ ۱۹۳۰ء کے عشرے میں فرانسیسی حکومت کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ الجزائریوں کے قلب و ذہن سے اسلام کی روح کو نکال دینا آسان کام نہیں ہے۔ فرانسیسی حکمران اسلام کے بنیادی اور اصل ماخذ پر حملہ کرنے سے کتراتے تھے اور اسے رجعت پسند اور قدامت پسند کہہ کر جان چھڑانا چاہتے تھے۔ اب انہوں نے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیے جن کے تحت لوگ اسلام سے بددل ہو جائیں اور دوسری طرف یہ خاص اہتمام کیا کہ افریقہ کو اسلام سے پہلے کے دور میں لے جایا جائے (الجزائر شمالی افریقہ میں آتا ہے) چنانچہ سرکاری سکولوں کا نصاب مکمل طور پر فرانسیسی کر دیا جائے اور ان سکولوں کے ذریعے الجزائری بچوں کو فرانسیسی تہذیب سے آشنا کرایا جائے اور تہذیب سے ناآشنا الجزائریوں کو مہذب بنایا جائے۔ اس مشن کے تحت زبان' ثقافت اور تہذیب کو متعارف و مستحکم کرنے کے لیے ایک طویل المیعاد منصوبے پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔ ان سکولوں میں پڑھائی جانے والی تاریخ فرانس کے مشاہیر' ان کے تاریخی کارناموں اور واقعات سے بھرپور ہوتی ہے' جس میں قرآن' اسلام' نبی کریم ﷺ' کلمہ طیبہ' مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا ذکر تک نہیں ہوتا۔ فرانسیسی نظام تعلیم نے الجزائر کی معاشرت و سیاست دونوں میں اہم کردار ادا کیا۔ اکبر الٰہ آبادی نے اس حوالے سے کیا خوب کہا ہے: ؎

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

اسی طرح بیروت کی امریکن یونیورسٹی روزِ اوّل سے ہی مشنری ادارہ کے طور پر قائم ہوئی تھی' اسے دنیاوی تعلیم کے لیے نہیں بنایا گیا تھا' یہ امریکی مشن کی پیداوار تھی۔ اس حقیقت پر تمام لوگ متفق ہیں جنہوں نے اس یونیورسٹی کے بارے میں لکھا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی اور ڈاکٹر فرخ اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں:

''مسٹر اسٹیفن پن روز کا کہنا ہے کہ امریکن یونیورسٹی آج بھی ایک مشنری ادارہ ہے' اس کا واحد مقصد مشن ہے۔''

اور اس کی بنیاد ۱۹۳۵ء میں رکھی جا چکی تھی۔ یہ امریکن یونیورسٹی عرب طلبہ کی اعلیٰ تعلیمی قابلیت کو بڑھانے کے لیے قائم کی گئی تھی' لیکن درحقیقت اس کا مقصد کچھ اور تھا۔

پاکستان میں بھی برصغیر پاک و ہند پر انگریزوں کے ڈھائی سو سالہ غلبے کے اثرات کم تو نہیں۔ انگریزی زبان سے مرعوبیت' اپنی زبان کو حقیر جاننا اور انگریزی نظام تعلیم حاصل کرنا' اس طرح کے مضامین بھی وہی ہوں جو برطانیہ و امریکہ کے طے کردہ ہوں تو یقیناً اثرات اور نتائج وہی ہونے چاہئیں جو ہیں اور ہوں گے۔

لہٰذا اقوام متحدہ کی سرپرستی میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں جو قراردادیں پاس ہوئیں ان میں سے چند ایک کا تعلق تعلیم سے بھی تھا۔ عالمگیریوں نے ان کانفرنسوں میں جن نکات پر بہت زیادہ زور دیا وہ یہ ہیں:

(۱) مخلوط تعلیمی نظام
(۲) نصابِ تعلیم میں تبدیلیاں
(۳) نصابِ تعلیم میں مرد اور عورت کے درمیان مساوات (یعنی ایسا نصابِ تعلیم کہ جسے پڑھ کر مرد اور عورت اپنے اپنے دائرہ کار سے نکل کر بات کریں)
(۴) جنسی تعلیم و تربیت پر توجہ

جبکہ مذہبی تعلیم کو واجبی سی اہمیت دی گئی۔

آخر میں صرف قائداعظم کا ایک قول رقم کرنا چاہوں گی۔ قائداعظم نے ۱۱ جنوری ۱۹۳۸ء کو ایک جلسہ عام میں مسلم لیگ کے جھنڈے کو لہراتے ہوئے کہا تھا:

''ہم کہتے ہیں یہ جھنڈا مسلم لیگ کا جھنڈا اسلام کا جھنڈا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں ہم سیاست میں مذہب متعارف کروا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اس پر فخر ہے۔ اسلام ہمیں مکمل ضابطۂ حیات دیتا ہے۔ یہ صرف مذہب نہیں ہے بلکہ اس میں قوانین' فلسفہ اور سیاست سب کچھ ہے۔ اس میں ہر وہ چیز موجود ہے جس سے انسان کا صبح سے شام تک تعلق رہتا ہے۔''

❁❁❁

ڈاکٹر وَہبہ الزّحیلی

حافظ محمد زبیر

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

دمشق کے نواحی علاقہ میں ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے اور ابھی تک حیات ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے شہر ہی سے حاصل کی اور سیکنڈری تعلیم دمشق یونیورسٹی کے کلیہ شریعہ سے حاصل کی۔ بعد ازاں جامعہ ازہر کے کلیہ شریعہ سے ۱۹۵۶ء میں بی اے کیا۔ ۱۹۵۹ء میں جامعہ قاہرہ کی فیکلٹی آف لاء سے شریعہ انسٹی ٹیوٹ کے تحت ڈپلومہ (ایم اے کے برابر ڈگری) کیا۔ ۱۹۶۳ء میں 'آثار الحرب فی الفقه الإسلامی : دراسة مقارنة' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء میں دمشق یونیورسٹی میں تدریس کا آغاز کیا اور مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ بن غازی یونیورسٹی، لیبیا اور متحدہ عرب امارات یونیورسٹی کی فیکلٹی آف لاء میں بھی پڑھاتے رہے۔ علاوہ ازیں خرطوم یونیورسٹی میں بھی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ دمشق یونیورسٹی میں فقہ اسلامی اور اصول فقہ کے شعبہ کے چیئرمین بھی ہیں۔

شیخ نے اپنی کتاب 'الفقه الإسلامی وأدلته' کے آخر میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا میرے بارے میں گمان یہ ہے کہ میں حنفی المسلک ہوں تو یہ گمان درست نہیں ہے بلکہ میں شافعی المسلک ہوں۔ بہر حال شافعی المسلک ہونے کے باوجود شیخ اپنے مذہب کی حمایت میں متعصب نہیں ہیں۔ اسی طرح عقیدے میں شیخ اشعریت کی طرف مائل ہیں۔ شیخ شادی شدہ ہیں اور ان کے پانچ بچے ہیں۔

عالمی اسلامی اداروں کی سربراہی اور رکنیت

اردن میں 'المجمع الملکی لبحوث الحضارة الإسلامیة' کے ممبر ہیں۔ اسی طرح اجتہاد کے عالمی فقہی اداروں میں سے 'مجمع الفقه الإسلامی' جدہ اور 'المجمع الفقهی الإسلامی' مکہ مکرمہ کے رکن ہیں۔ علاوہ ازیں اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے رکن اور فقہاء

شریعتِ اسلام اسمبلی، امریکہ کے نائب صدر اور اسلامی فقہ اکیڈمی، سوڈان کے بھی رکن ہیں۔ بحرین میں اسلامی اقتصاد کی کمپنی 'شرکة المضاربة والمقاصة الإسلامیة' کی شریعہ ایڈوائزنگ کمیٹی کے صدر ہیں۔ شام میں فتویٰ کی اعلیٰ کمیٹی 'مجلس الإفتاء الأعلیٰ' کے رکن ہیں۔ وزارت اوقاف، شام کے تحت تحقیقی کمیٹی 'لجنة البحوث والشؤون الإسلامیة' کے بھی رکن ہیں۔ اسلامی اقتصاد میں تحقیقی ادارے 'لجنة الدراسات الشرعیة للمؤسسات المالیة والإسلامیة' کے بھی صدر ہیں۔

تالیفات وتصنیفات

شیخ ۵۰۰ کے قریب مختلف کتب، رسائل اور تحقیقی مقالہ جات کے مصنف ہیں، جن میں سے ان کی کئی ایک کتب کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ تقابلی فقہ پر ان کی کتاب 'الفقه الإسلامی وأدلته' کو ایک بنیادی مصدر کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے اور پاکستان اور سوڈان کی کئی ایک یونیورسٹیوں میں اس کتاب کے کچھ حصوں کو بطور نصاب بھی شامل کیا گیا ہے۔ گیارہ جلدوں پر مشتمل یہ کتاب ایک معنی میں فقہی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ یہ کتاب تقریباً ۲۲ مرتبہ شائع ہو چکی ہے جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور کئی ایک زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ کوئی بھی اسلامی لائبریری اس کتاب کے بغیر نامکمل ہے۔ تقابلی فقہ پر ویسے تو اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن یہ کتاب اپنے اسلوب بیان، ترتیب، زبان کی آسانی، جدید معاصر مسائل کے بیان، اقوال کی ترجیح میں عدم تعصب اور بنیادی مصادر سے رجوع کی وجہ سے کئی ایک منفرد خصوصیات کی حامل ہے۔ اسی طرح شیخ کی معروف کتابوں میں 'التفسیر المنیر' ہے جو ۱۶ جلدوں میں ہے اور تقریباً ۷ مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ ان کی تیسری معروف کتاب 'اصول الفقه الإسلامی' ہے جو تقابلی اصول فقہ کی کتابوں میں سے ایک بہترین کتاب ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور تقریباً ۱۲ مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ سعودی عرب کی کئی ایک اسلامی یونیورسٹیوں کے نصاب میں بھی مقرر ہے۔

شیخ کی دیگر معروف کتب میں ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ 'آثار الحرب فی الفقه الإسلامی'، اصول الفقه الإسلامی'، الفقه الإسلامی وأدلته'، الوصایا والوقف فی الفقه الإسلامی'، التمویل وسوق الأوراق المالیة'، خطابات الضمان'، بیع الأسهم'، بیع التقسیط'، الأسس والمصادر الاجتهادیة المشترکة بین السنة والشیعة'، أسباب

اختلاف وجهات النظر' الاجتهاد الفقهی الحدیث منطلقاته واتجاهاته' أحکام التعامل مع المصارف الإسلامیة ' الذرائع فی السیاسة الشرعیة والفقه الإسلامی' العرف والعادة 'المذهب الشافعی ومذهبه الوسیط بین المذاهب الإسلامیة' مناهج الاجتهاد فی المذاهب المختلفة 'تجدید الفقه الإسلامی' الفقه المالکی الیسر' تغیر الاجتهاد' تطبیق الشریعة الإسلامیة 'العلاقات الدولیة فی الإسلام 'الرخص الشرعیة' اصول التقریب بین المذاهب الإسلامیة 'اجتهاد التابعین' الباعث علی العقود فی الفقه الإسلامی وأصوله ' عقد التأمین' التفسیر المنیر فی العقیدة والشریعة والمنهج' القراء ات المتواترة وأثرها فی الرسم القرآنی والأحکام الشرعیة ' اصول مقارنة أدیان' البدع المنکرة ' الإیمان بالقضاء والقدر' السنة النبویة : حقیقتها ومکانتها عند المسلمین' فقه السنة النبویة 'الخصائص الکبریٰ لحقوق الإنسان فی الإسلام ودعائم الدیمقراطیة الإسلامیة' الدعوة الإسلامیة وغیر المسلمین' المنهج والوسیلة والهدف'الإسلام وتحدیات العصر'المحرمات وآثارها السئیة علی المجتمع' الدعوة علیٰ منهاج النبوة' الأسرة المسلمة فی العالم العصر' الثقافة والفکر' القیم الإسلامیة والقیم الاقتصادیة اور تعدد الزوجات :المبدأ والنظریة والتطبیق وغیرہ ہیں۔

فتاویٰ وآراء

شیخ سے جب سودی بینکوں میں نوکری کے بارے سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ عام حالات میں یہ نوکری حرام ہے۔البتہ خصوصی حالات میں کہ جن میں کوئی شخص مضطر ہو اور اس کی بنیادی ضروریات بھی پوری نہ ہو رہی ہوں تو اس صورت میں وہ اس شرط پر نوکری کر سکتا ہے کہ دوسری جاب تلاش کرتا رہے اور ملتے ہی بینک کی جاب چھوڑ دے۔

شیخ سے جب کسی متعین مذہب کی تقلید کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ امر واقعہ یہ ہے کہ ایک عامی کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اس کے حاضر مفتی کا ہوتا ہے۔پس عادت اور مصلحت کے پہلو سے تو عوام کے لیے اپنے مفتیانِ کرام کی تقلید لازم ہے' لیکن شرعاً کسی متعین مذہب کی اتباع لازم نہیں ہے۔

اپنی کتاب 'الفقه الإسلامی وأدلته' کے مقدمہ میں تلفیق بین المذاہب یعنی مختلف

فقہی مذاہب میں بعض مسائل میں ایک مذہب اور بعض دوسرے مسائل میں دوسرے مذہب کی پیروی کرنے کے بارے میں انہوں نے کہا کہ اگر تو یہ تلفیق حاجت اور ضرورت کے تحت ہو تو مالکیہ اور بعض حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور شیخ بھی اسے جائز سمجھتے ہیں اور اگر یہ تلفیق رخصتوں کے حصول کے لیے ہو تو شیخ کے نزدیک مذموم ہے۔

اپنی کتاب 'الفقه الإسلامی و أدلته' کے مقدمہ میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اہل تشیّع اور اہل سنّت کا اختلاف عقیدے اور فقہ کا اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ حکومت اور سیاست کا اختلاف ہے۔شیخ کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اہل تشیّع اور اہل سنّت میں مشہور مسائل میں صرف ۷ امقامات میں اختلاف ہے۔

اگر تو اس سے شیخ کی مراد متقدمین اہل تشیّع اور اہل سنّت کے مابین فرق ہے تو واقعتاً اُس اختلاف کی نوعیت مذہبی کی نسبت سیاسی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر محدثین نے بھی اپنے دور کے شیعہ راویوں سے روایات لی ہیں۔لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اہل تشیع کے ہاں بلاشبہ سینکڑوں توہمات وخرافات کو عقائد اور بدعات ورسومات کو مذہب کے نام پر جاری کیا گیا ہے۔اس کے ثبوت کے لیے معروف ایرانی شیعہ عالم اور مجتہد ڈاکٹر موسیٰ الموسوی کی کتاب 'اصلاح شیعہ' کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔لہٰذا اب جو شیعہ مذہب موجود ہے' اس میں اور اہل سنت والجماعت میں بنیادی عقائد کا بھی اختلاف ہے اور فقہ میں بھی سینکڑوں بنیادی اختلافات موجود ہیں۔

شیخ نے اپنی کتاب 'الفقه الإسلامی' میں عورت کے تمام بدن یہاں تک کہ اس کے چہرے اور ہاتھوں کو غیر محرم مردوں کے لیے ستر قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک عورت کے لیے غیر محرم مردوں سے ان اعضاء کا چھپانا لازم ہے۔

شیخ نے اپنی کتاب 'الفقه الاسلامی' میں سودی بینکوں کے منافع کو سود ہی قرار دیتے ہوئے حرام' حرام اور حرام قرار دیا ہے۔اس کے برعکس انہوں نے غیر سودی یعنی اسلامی بینکوں کے منافع اور ان کے ساتھ تعامل کو جائز قرار دیا ہے۔

شیخ نے اپنے ایک فتویٰ میں نکاحِ مسیار کو جائز قرار دیا ہے جبکہ اس میں ایجاب وقبول' ولی' گواہان اور اعلانِ نکاح موجود ہو۔نکاحِ مسیار یہ ہے کہ ایک مرد وعورت باہمی رضامندی سے اس شرط پر نکاح کر لیتے ہیں کہ عورت اپنے نان نفقہ اور مکان کے حق سے

دستبردار ہو جاتی ہے' یعنی عورت اپنے شوہر سے نان نفقہ یا مکان طلب نہیں کر سکتی اور اس کی ذمہ داری خود اٹھاتی ہے یا عورت کے والدین اٹھاتے ہیں۔ بعض حنبلی اور شافعی علماء اس کو جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس نکاح میں اگر ولی' گواہان' ایجاب وقبول اور اعلانِ نکاح موجود ہو تو نکاح کے ارکان اور شرائط پوری ہیں لہٰذا ان کے ہاں یہ نکاح جائز ہے۔ اس کے برعکس علماء کی ایک جماعت نکاح کی اس قسم کو عورت پر ظلم قرار دیتی ہے اور اسے شرعاً ناجائز کہتی ہے۔ علماء کی ایک تیسری جماعت مطلقاً تو اس قسم کے نکاح کی اجازت نہیں دیتی اور نہ ہی اس کو رائج کرنے کے حق میں ہے' لیکن یہ علماء ضرورت اور حاجت کے تحت نکاح کی اس قسم کو جائز قرار دیتے ہیں' مثلاً کسی عورت کی شادی کی عمر گزر چکی ہے اور شادی کا امکان نہیں ہے یا کوئی خاتون بیوہ ہیں اور انہیں حفاظت کے پہلو سے کسی مرد کے سہارے کی ضرورت ہے یا کسی نوجوان کے زنا میں پڑنے کا اندیشہ ہے لیکن وہ نکاح کی مالی استطاعت بھی نہیں رکھتا ہے' وغیر ذلک۔ ہمارے پاکستانی معاشرے میں نکاح کے موقع پر گھر داماد بنانے کی شرط لگانا نکاحِ مسیار ہی کی ایک قسم ہے۔

داڑھی کے بارے میں شیخ کا موقف یہ ہے کہ داڑھی کا منڈوانا حنابلہ' شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک حرام ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ شافعی ہونے کی وجہ سے داڑھی کے بارے میں وہ شافعی مسلک ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ داڑھی کتروانے کے بارے میں ان کا موقف یہ ہے کہ وہ ایک مشت سے بھی کم کروانے کے قائل ہیں اور صرف حلق کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

خلاصہ کلام

شیخ کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کو علومِ اسلامیہ میں بہت رسوخ حاصل ہے۔ شیخ کی بعض آراء یا افکار سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور ان پر نقد بھی ممکن ہے' لیکن ان پر تجدد کا الزام لگانا درست نہیں ہے۔ بعض فقہی مسائل میں بعض اہل علم کے نزدیک ان کی آراء شاذ ہو سکتی ہیں لیکن ان آراء کے اظہار میں بھی وہ سلف صالحین اور مذاہب اسلامیہ کی فروعات سے کوئی رشتہ جوڑتے ہی نظر آتے ہیں اور متجددین کی طرح فقہ اسلامی کے تاریخی ذخیرے سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اسلام کی تعبیرِ نو یا تشکیلِ جدید کرنا ان کا منہج نہیں ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل ان کی کتاب 'الفقه الإسلامي وأدلته' ہے۔

مصادر و مراجع

١۔ الفقه الإسلامي وأدلته 'دار الفكر' دمشق

2.http://ar.wikipedia.org/

3.http://www.zuhayli.com/

٤۔ الرجل الصنم' فتحي بشير البلعاوي' الجامعة الإسلامية' فلسطين' ٢٠٠٨ء

٥۔ ذئب الأناضول' مصطفى زين' الطبعة الأولى' برطانيه' ١٩٩١ء

٦۔ اعلام واقزام فی میزان الاسلام' جلد ١' ڈاکٹر سید بن حسین العفانی' دار ماجد عسیری' جدہ

٧۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد ا' دانش گاہ پنجاب' لاہور' طبع اول' ١٩٦٤ء

٨۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر' مولانا ابوالحسن علی ندوی' مجلس تحقیقات و نشریات اسلام' کراچی۔

9-http://www.saaid.net/arabic/199.htm

10- en.wikipedia.org

11-ar.wikipedia.org

12-http://www.ataturk.com

13-http://www.atajew.com/

☆☆☆

بقیہ: عرضِ احوال

کا درجہ رکھتا ہے۔ اس حوالہ سے تفصیلات میں جانے سے بات بہت دور نکل جائے گی۔

مختصراً عرض ہے کہ ایک طرف بھارت نے پاک افغان بارڈر پر بہت سے تربیتی کیمپ کھول رکھے ہیں اور وہاں تربیت دے کر دہشت گردوں کو پاکستان میں داخل کر رہا ہے جو پاکستان میں جگہ جگہ خون کی ہولی کھیل رہے ہیں اور دوسری طرف ہمارے لبرل دانشوروں کی کاوشیں رنگ لا رہی ہیں اور ہمارے نازوں میں پلے سیاست دان بھی قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ بھارت کو دشمن مت سمجھو۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!**

بہرحال اتنے خوفناک انداز میں نظریاتی انحراف کے بعد ہمیں اگر سمجھ نہ آ رہی ہو کہ پاکستان پر قیامتیں کیوں گزر رہی ہیں' پاکستان تباہی کی طرف سرپٹ کیوں دوڑ رہا ہے؟ تو ان کی عقل کے ماتم کے سوا کیا کیا جا سکتا ہے۔ آج پاکستان کی سلامتی کے حوالہ سے بڑی مثبت سوچ رکھنے والے بھی مایوسی کا شکار نظر آتے ہیں' لیکن ضرورت مایوسی کی نہیں ایک یوٹرن کی ہے' اجتماعی سطح پر اپنی ایڑیوں پر گھوم جانے کی ضرورت ہے۔ آیئے اس منزل کی طرف رخ موڑ لیں جس کا تعین تحریک پاکستان کے دوران دو قومی نظریہ کے عنوان سے کیا گیا تھا' جو نظریہ پاکستان کہلاتا ہے' جس کی عملی تعبیر ہماری منزل ہے۔ وگرنہ یاد رکھیے' ہم اب کھائی کے کنارے نہیں بلکہ اس میں اترنا شروع ہو چکے ہیں۔ واپسی کی تدبیر نہ کی گئی تو کھائی کی تہہ ہمارا مقدر ہوگی۔ آیئے دین سے غداری کا رویہ ترک کر دیں۔ آیئے اللہ کا دامن تھام لیں تاکہ دنیا میں قوت' عزت' وقار اور احترام حاصل کریں اور اخروی فلاح بھی حاصل ہو جائے۔ آمین یاربّ العالمین! oo